# مسلمانوں کی اصلی طاقت

## اور اس کے عروج و زوال کے حقیقی اسباب

کچھ مدت سے مسلمانوں پر خود فراموشی اور مایوسی کی جو کیفیت طاری ہے اور جو روز بروز بڑھتی جا رہی ہے جس کے ہولناک نتائج آنکھوں سے نظر آنے لگے ہیں، اس کا شدید تقاضا ہے کہ ایسے مضامین و رسائل کثرت سے شائع کئے جائیں جو مسلمانوں کو ان کی اصلی طاقت سے واقف کریں جو دنیا میں ایک بار مادی ساز و سامان کی مدد کے بغیر ناموافق ترین فضا اور حالات میں انقلاب عظیم برپا کر چکی ہے، اور دنیا کی عظیم ترین مادی طاقتوں اور عددی کثرتوں کو شکست دے چکی ہے۔ پھر اس کے زوال سے ان میں جو ذلت و خواری، شکست خوردگی و بے اعتمادی پیدا ہو گئی تھی اس کی تصویر بھی پیش کریں اور ان کو ان کی صحیح سیرت و صفات اور اس دعوت کی طاقت سے باخبر کریں جو اب بھی دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا سرچشمہ ہے اور جس سے اب بھی خارق عادت واقعات کا ظہور ہو سکتا ہے۔

خوش قسمتی سے ہمیں رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی کے ایک عربی مقالہ کا اردو ترجمہ مل گیا جو انکے ایک شاگرد مولوی علی احمد صاحب ندوی نے کیا ہے، اس مضمون میں مولانا نے اس خاص نقطۂ نظر سے مسلمانوں کی تاریخ کا جائزہ لیا ہے اور اس سلسلہ میں ایسے موثر واقعات اور تاریخی شہادتوں کو جمع کر دیا ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے عبرت و بصیرت کا ایک مرقع بن گیا ہے اور تاریخ کے سیکڑوں صفحات کا عطر چند اوراق میں کھنچ کر آ گیا ہے۔

فاضل مقالہ نگار اور لائق مترجم کے شکریہ کے ساتھ ہم اس مضمون کو شائع کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ اسکی اشاعت ان خاص حالات میں انشاء اللہ بہت مفید و موثر ہو گی۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

اسلام سے پہلے عرب ایک وحشی اور غیر متمدن قوم تھے۔ تہذیب و تمدن سے نا آشنا علم و ہنر سے بیگانہ، اخلاق و ادب سے دور، دنیا سے بالکل الگ نہایت گمنام اور پست زندگی گذار رہے تھے مہذب

اور ترقی یافتہ ممالک سے ان کو تین طرف سے سمندروں نے اور ایک جانب سے صحرا نے علیحدہ کر دیا تھا ان کے انحطاط و پراگندگی اور ضعف و گمنامی کا یہ عالم تھا کہ وہ کبھی اپنے ہمسایہ ممالک سے لڑنے کا خیال بھی نہ کر سکتے تھے انھوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا کہ وہ اپنی ہمسایہ حکومتوں سے جنگ کریں گے اور ان پر فتح پائیں گے۔ اس کے برعکس ایران اور روم کو اس وقت دنیا کی آقائی حاصل تھی مشرق و مغرب کی زمام قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ ان کی حدود مملکت عرب کو اس طرح گھیرے ہوئے تھیں جس طرح کلائی کو کنگن، عرب پر انھوں نے کبھی عام فوج کشی کا ارادہ اس لئے نہ کیا کہ عرب کے راستے نہایت ناہموار اور خراب تھے اور عرب کوئی ایسا زرخیز اور دولتمند ملک نہ تھا جس کے لئے وہ اپنی فوجوں کو زحمت دیتے اور اپنا ساز و سامان برباد کرتے، انھوں نے جزیرہ عرب پر صرف اپنے سیاسی تسلط کو کافی سمجھا اور جا بجا سرحدوں پر نگرانی کے لئے چند چوکیاں قائم کر دیں۔

یہ تھا اس قوم کا حال جو بہت جلد دنیا کی تاریخ میں ایک عجیب و غریب باب کا اضافہ کرنے والی تھی یہ قوم غیر متمدن تھی، قدرت نے اسے بڑی صلاحیتیں عطا کی تھیں، لیکن یہ سب صلاحیتیں بیکار اور رائیگاں تھیں، کوئی ان سے کام لینے والا نہ تھا، عراق، شام اور مصر کے بازاروں میں جب یہ لوگ جاتے تھے تو لوگ انھیں نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے اور نہ انھیں کسی شمار میں سمجھتے تھے، ان کے حالات سے انھیں صرف اتنی دلچسپی تھی جتنی شہریوں کو عام طور پر دیہاتیوں سے ہوتی ہے، جن کا لباس، جن کی ہیئت اور جن کی بول چال شہر والوں کے لئے ایک خاص قسم کی تعجب آمیز توجہ کا باعث یا تفریح و دلچسپی کا سامان ہوتی ہے اور وہ انھیں اس طرح دیکھتے ہیں گویا وہ کوئی عجیب چیز دیکھ رہے ہیں۔ اگر کبھی عربوں کا ذکر آتا اور ان کا نام لیا جاتا تو صرف ان کی چرب زبانی ان کی فصاحت و بلاغت، ان کی شجاعت ان کے گھوڑوں کی عمدگی اور وفاداری وغیرہ انھی چند باتوں کا ذکر ہوتا جو عام طور پر غیر متمدن قوموں کی خصوصیات ہیں۔

یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اسلام سے پہلے دنیا کے نزدیک عربوں کی کیا حیثیت تھی؟ اور مشرق و شمال میں ان کے ہمسایہ ممالک انھیں کس نظر سے دیکھتے تھے؟ ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس زمانہ میں اہل علم و بصیرت ان کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟ ذیل میں چند رائیں ملاحظہ ہوں، خود عربوں نے بھی ان رایوں سے اتفاق کیا ہے بلکہ ان پر اضافہ کیا ہے۔ اس قسم کی جو رائیں تاریخ میں محفوظ ہیں ان میں سے ایک

راستے ایران کے شہنشاہ یزدگرد کی ہے۔
ابن کثیر دمشقی اپنی کتاب "البدایہ والنہایہ" میں یزدگرد کے دربار میں مسلمان قاصدوں کی گفتگو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"یزدگرد نے سلسلہ کلام شروع کرتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک مجھے معلوم ہے تم دنیا میں سب سے زیادہ زبوں حال تھے، تمھاری تعداد بھی بہت تھوڑی تھی، اور آپس کی خانہ جنگی اور باہمی اختلاف و افتراق میں بھی تم آپ اپنی نظیر تھے؛ بوقت ضرورت ہم تمھاری سرکوبی کے لئے صرف قرب و جوار کے دیہاتوں کو حکم دیتے تھے، اور وہی تمھارے لئے کافی ہوتے تھے ہمیں کبھی تمھارے لئے اپنی فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں پڑی، اب بھی ایران تم سے جنگ نہ کرے گا، ورنہ اس خیال میں نہ رہو کہ تم اس کا مقابلہ کر سکو گے اگر تمھاری تعداد اب کچھ زیادہ بھی ہو گئی ہے تو تمھیں مغرور نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ ہمارے لئے تم اب بھی تھوڑے ہو، اور اگر تم بھوک اور فاقہ کشی سے پریشان ہو کر آئے ہو تو ہم تمھارے لئے راشن مقرر کر دیں تاآنکہ تمھارے حالات درست ہو جائیں اس صورت میں تم اعزاز و اکرام کے ساتھ واپس جاؤ گے اور تمھارے اوپر ہم ایسے شخص کو حاکم مقرر کر دیں گے جو تمھارے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے"
مسلمانوں کے سفیر اور نمایندہ، مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کے جواب میں کہا۔
"اے بادشاہ تونے یہ جو کچھ ہمارے متعلق بیان کیا، واقعہ یہ ہے کہ ہماری قوم کی برائیوں کا عشر عشیر بھی نہیں ورنہ ہماری حالت تو اس سے بھی زیادہ گری ہوئی تھی، دنیا میں کوئی بھی قوم اتنے برے حال میں نہ ہوگی، ہم میں فقر و فاقہ اور افلاس اس حد کو پہنچ چکا تھا کہ زمین کے کیڑے مکوڑے اور سانپ بچھو تک ہم کھا لیتے تھے اور ان چیزوں کو اپنی غذا سمجھتے تھے، اللہ کی بچھائی ہوئی زمین ہی ہمارا بیت الشی گھر تھا، اور اونٹ یا بھیڑ بکریوں کی کھال سے جو کپڑا ہم بنا لیتے تھے وہی ہمارا لباس تھا، ایک دوسرے کو قتل کر ڈالنا ہمارا دستور رہتا اور زبردستوں کا زیردستوں کو ستانا اور زور داروں کا کمزوروں کو دبانا ہمارا طریقہ تھا، ہم میں سے بعض لوگ اپنی لڑکیوں کو اس خوف سے کہ انھیں کھلانا پلانا پڑے گا زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، بیشک اب سے پہلے ہمارا یہی حال تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو رسول بنا کر ہماری طرف بھیجا۔ الخ"[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۴۲۔

نیز اسی کتاب میں ہے۔

"ایرانی سردار نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کو گفتگو کرنے کے لئے بلایا مسلمانوں کی طرف سے مغیرہ بن شعبہؓ گئے ایرانی دربار بہت قیمتی ساز و سامان سے سجایا گیا تھا ایرانی سردار بڑی شان و شوکت سے تخت پر بیٹھا تھا اس نے بڑے حقارت آمیز طریقہ سے عربوں کا ذکر کیا ان کی فاقہ کشی بدنظمی اور پراگندگی کا ذکر کرنے کے بعد اس نے کہا "ہمارے سردار تمھاری لاشوں کی بدبو سے ڈرتے ہیں، ورنہ یہ آناً فاناً تم کو تباہ کر ڈالیں تاہم اب بھی اگر تم واپس چلے جاؤ تو ہم تم سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور اگر تم ضد کرو گے تو ہم تمھیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیں گے"

مغیرہ بن شعبہؓ نے کلمہ شہادت اور حمد و ثنا کے بعد کہا "بے شک ہم اس سے بھی زیادہ برے تھے جتنا تو نے بیان کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا الخ"[۱]

نیز اسی کتاب میں یہ بھی ہے۔

"ولید بن مسلم کا بیان ہے کہ ماہان نے خالد رضی اللہ عنہ کو دونوں صفوں کے درمیان سے صلح کی گفتگو کرنے کے لئے بلایا اور ان سے کہا "ہم جانتے ہیں کہ صرف بھوک اور پریشان حالی تم لوگوں کو یہاں لائی ہے، پس تم میں سے ہر شخص کو ہم دس دینار اور خوراک و پوشاک دیتے ہیں تم اپنے ملک واپس چلے جاؤ آیندہ سال ہم پھر تمھیں اتنی ہی رقم بھیج دیں گے[۲]"

ان تاریخی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رومیوں اور ایرانیوں کے نزدیک عربوں کی کیا حیثیت تھی۔ ؟ ان کی نظروں میں عرب کس درجہ حقیر و ذلیل تھے۔ دراصل رومی اور ایرانی عربوں سے لڑنا ہی اپنی توہین سمجھتے تھے۔ انھیں تعجب تھا کہ یہ غیر منظم اور پراگندہ قوم جس کے پاس نہ کوئی نظام تھا نہ قوت ان کے مقابلہ پر آ کیسے گئی۔ ؟۔ ان سے بھی بڑی شہادت یہ ہے کہ کسریٰ کے پاس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پہونچا تو اس نے نہایت تحقیر کے ساتھ اس کو پھاڑ ڈالا اور کہا کہ میرا غلام ہو کر مجھے اس طرح مخاطب کرتا ہے، پھر اس نے باذام کو جو یمن میں اس کا نائب تھا لکھ بھیجا کہ اپنے پاس سے دو طاقتور آدمی اس شخص کی طرف بھیج دو

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۱۰۹ [۲] ایضاً جلد ۷ ص ۱۰

جو اسے پکڑ کر میرے پاس لے آئیں، کہتے ہیں کہ باذام نے اپنے قہرمان کو جو اس کا کاتب اور حساب داں تھا اور فارس کے ایک دوسرے شخص کو جس کا نام خرخرہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور حکم لکھا کہ وہ ان دونوں کے ساتھ کسریٰ کے پاس چلے جائیں۔

اگرچہ کسریٰ اپنی اس کارروائی میں کامیاب نہ ہو سکا اور اس کی سلطنت ہی تباہ ہو گئی لیکن اس واقعہ سے جہاں کسریٰ کی نادانی اور اس کی خفیف الحرکتی کا پتہ چلتا ہے۔ وہیں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاہان فارس عربوں کو کسقدر حقیر اور کم حیثیت سمجھتے تھے۔ بہرحال یہ تھی اسلام سے پہلے عربوں کی حالت اور یہ تھا دنیا کی نظروں میں عربوں کا مقام۔

یکایک ہوا کا رخ پلٹا حالات میں انقلاب ہوا، حیرت انگیز اور بے نظیر انقلاب حقیقتیں بدل گئیں، تمام سابق تجربات غلط ثابت ہوئے عقل حیران رہ گئی، جب یہ عرب اپنے صحرا سے نکلے فتح و نصرت نے ہر جگہ ان کا استقبال کیا، کامیابی نے ان کے قدم چومے، گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں اور بڑی بڑی سرکش طاقتوں نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔

عربوں کا یہ سیلاب ۱۱ھ (مطابق ۶۳۲ء) میں اسلام کے دارالسلطنت مدینہ سے نکلا اور ہر اس چیز کو بہا لے گیا جو اس کے راستہ میں پڑ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس سیلاب نے میدانوں اور پہاڑوں کو اپنے آغوش میں لے لیا، ایران روم اور مصر کی افواج قاہرہ جن کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی تھی، جو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح اور کیل کانٹے سے درست تھیں، جن کی تجربہ کاری اور حربی مہارت مسلم تھی، جن کی یلغار سے زمین میں بھی زلزلہ آجاتا تھا اس سیلاب کو نہ روک سکیں اور نہ اس کا رخ بدل سکیں بلکہ خس وخاشاک کی طرح بہ گئیں، یہاں تک کہ یہ سیلاب بڑھتا ہوا شام اور فلسطین کے سبزہ زاروں میں، عراق اور فارس کے میدانوں میں، مصر اور مغرب اقصیٰ کی دیواروں اور ھمالیہ کی وادیوں تک پہونچ گیا۔

یہ سیلاب اپنے ساتھ ہزاروں سال پرانی تہذیبوں کو بہا لے گیا، بڑی بڑی منظم اور طاقتور سلطنتیں زیروزبر ہو گئیں، صاحب اقتدار اور پرشوکت قومیں تباہ و برباد ہو گئیں اور تاریخ میں صرف ان کا نام باقی رہ گیا "وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ" (اور ہم نے ان کو "کہانی" بنا دیا اور ان کو بری طرح ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔)

یہی عرب پہلے ایرانیوں کی صورتوں سے خائف[1] رہتے تھے اور اپنے گھروں میں بیٹھ کر بھی ان سے ڈرا کرتے تھے، لیکن اس مرتبہ ان میں غیر معمولی جرأت پیدا ہوگئی تھی، ایرانی اور رومی ان کی نظروں میں حقیر ہوگئے، وہ اپنے جزیرہ سے نکلے، ایرانیوں اور رومیوں سے ٹکر لی، ان کے گھروں میں گھس کر ان سے جنگ کی، ان کے میدانوں میں دندناتے چلے گئے، اور بہت جلد ان کی منظم اور دل بادل فوجوں کو منتشر کردیا، ان کے تخت و تاج چھین لئے، ان کے خزانوں پر قبضہ کرلیا، ان کی ساری دولت اور ان کے بادشاہوں کی میراث آپس میں تقسیم کرلی، ان کی اولاد کو قید کرلیا، ان کی شان و شوکت خاک میں ملادی ان کی ردائے عظمت کو اس طرح پارہ پارہ کیا کہ اس میں پھر کبھی پیوند نہ لگ سکا "کسریٰ" ہلاک ہوا اور اس کے بعد پھر کوئی کسریٰ نہ ہوا "قیصر" مٹ گیا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوسکا "وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا" (اور ہم نے ان لوگوں کو وارث بنایا جو کمزور سمجھے جاتے تھے زمین کے مشرقی اور مغربی حصوں کا جس میں ہم نے برکت دی)

یہ عرب جنہوں نے آناً فاناً دو عظیم الشان سلطنتوں کو زیر و زبر کردیا اپنے جزیرہ سے اس طرح نکلے تھے کہ ان کے کپڑے خستہ اور پیوند لگے ہوئے تھے، ان کے جوتے پھٹے اور پرانے تھے، ان کے پاس ایسی تلواریں تھیں جن کے نیام بوسیدہ اور پرتلے شکستہ تھے، ان کے بعض گھوڑوں کو زین بھی نصیب نہ تھا۔ اور وہ ننگی پیٹھ تھے، تہذیب و تمدن سے ان کی ناآشنائی کا یہ حال تھا کہ وہ کافور کو نمک سمجھتے تھے اور بہتوں نے اسے نمک کے بجائے آٹے میں استعمال[2] بھی کیا۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے یہ لوگ دنیا کے حاکم ہوگئے اور ان قوموں کو اپنے زیر اقتدار کرلیا۔ جو تہذیب و تمدن اور علم و فن میں دنیا کی امام تھیں، اونٹوں اور بکریوں

---

[1] تاریخ طبری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ایران فتح کرنے کا ارادہ کیا تو لوگ خائف و حیران تھے کہ وہ کیونکر ایرانیوں سے جنگ کریں گے کیونکہ ایرانیوں کی صورتیں ہی ان کے لئے نہایت ہیبت ناک تھی۔ اور ان کی شان و شوکت اور ان کے غلبہ و قوت سے وہ نہایت درجہ مرعوب رہتے تھے ۱۲۔ طبری جلد ۴ صفحہ ۶۱۔

[2] ابن کثیر کا بیان ہے کہ مسلمان گھروں میں گھستے تھے انہیں پوری پوری کوٹھری سونے چاندی کے برتنوں سے بھری ہوئی ملتی تھی، کافور کی بہت بڑی مقدار انہیں دستیاب ہوئی لیکن انہوں نے اسکو نمک سمجھا اور بعضوں نے نمک کے بجائے آٹے میں استعمال بھی کیا، جب وہ کڑوا معلوم ہوا تو انہیں اس کی حقیقت معلوم ہوئی۔ بدایہ جلد ۷ ص ۶۷

سکہ چلوا رہے جہانبانی کرنے لگے اور دنیا کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ گروہ کے امام و پیشوا ہو گئے علم و فن تہذیب و تمدن اور اخلاق و آداب میں ان کے اُستاد ہو گئے اور خدا کا یہ وعدہ پورا ہوا۔ وَنُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ۝ (اور ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور سمجھے گئے اور انھیں کو امام و وارث بنا دیں)

عربوں کے حالات کا یہ انقلاب، شرمناک اور رسواکن ضعف و ذلت کے بعد یہ زبردست طاقت اور سربلندی، یاس و نومیدی کے بعد یہ زندگی اور تازگی، خواب غفلت کے بعد یہ بیداری تاریخ کا ایک نادر اور انوکھا واقعہ ہے مورخین کا اتفاق ہے کہ تاریخ انسانی میں اس سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ نہیں پیش آیا، بعض یوروپین مورخین کے تاثرات ملاحظہ ہوں۔

"اسٹوڈرڈ" امریکی اپنی کتاب "جدید دنیائے اسلام" میں لکھتا ہے

"تاریخ انسانی میں جتنے واقعات مذکور ہیں اسلام کے ظہور کا واقعہ شاید ان سب سے زیادہ عجیب ہے۔ اسلام کا ظہور اس قوم میں ہوا جو بالکل غیر منظم اور پراگندہ تھی، اس ملک میں ہوا جو انحطاط کی آخری حد کو پہونچ چکا تھا، لیکن ابھی پوری ایک صدی نہ گذری تھی کہ اسلام نصف کرۂ ارضی میں پھیل گیا، بلند اور طاقتور ممالک کو اس نے زیر و زبر کر کے رکھ دیا، قدیم ترین مذاہب کو جو صدیوں بلکہ ہزاروں سال پیشتر سے قائم تھے ڈھا دیا، انسانوں اور قوموں کی ذہنیتیں بدل دیں اور ایک نئے "عالم" کی بنیاد ڈالی جو انتہائی مضبوط اور طاقتور تھا۔۔۔ یہ "عالم اسلام" ہے۔"

ایک عصری مورخ "فشر" اپنی کتاب "تاریخ یوروپ" میں لکھتا ہے

"اسلام سے پہلے جزیرۂ عرب میں کسی عربی سلطنت کا نام و نشان تک نہ تھا نہ وہاں کوئی منظم فوج تھی اور نہ ان میں سیاسی شعور تھا، عرب شاعر تھے، جنگجو تھے، تاجر تھے، لیکن سیاست سے انھیں کوئی واسطہ نہ تھا ان کے دین میں اتنی قوت ہی نہ تھی جو انھیں متحد اور منظم کر سکے، وہ ایسے مشرکانہ نظام کے تحت زندگی گذار رہے تھے جو بے کمزور اور بے جان تھا لیکن صرف ایک صدی کی مدت میں ان جوشیلی اور اپنی طاقت سے بے خبر عربوں نے حیرت انگیز عالم گیر اور عظیم الشان طاقت پیدا کر لی، شام و مصر کو انھوں نے فتح کر لیا، ایران کو زیر و زبر کر دیا، مغربی ترکستان اور پنجاب کے ایک حصہ پر قبضہ کر لیا، بازنطینیوں اور بربر سے افریقہ چھین لیا، فیقوط سے اسپین کا علاقہ لے لیا، مغرب میں فرانس اور مشرق میں قسطنطنیہ

ان سے خائف رہنے لگے، ان کا بحری بیڑہ بحر متوسط میں حرکت کرنے لگا، انھوں نے یونانی جزائر کو روند ڈالا اور بازنطینی شہنشاہیت کی بحری قوت کو انھوں نے چیلنج کیا، ایران اور اٹیلس کے بربروں کے سوا کسی نے ان کا مقابلہ نہ کیا، انھوں نے اپنی راہ آسانی سے نکال لی، آٹھویں صدی عیسوی تک وہ اس قدر طاقتور ہو گئے کہ کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہ کر سکی اور نہ ان کی فتوحات کو روک سکی، یورپ کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک تمام عیسائی طاقتیں ایک مشرقی تمدن سے خائف تھیں جو ایک "مشرقی" دین کی بنیادوں پر قائم ہوا تھا"[1]

مشہور سوشلسٹ لیڈر ایم۔ این۔ رائے لکھتا ہے۔

"جب انسان سوچتا ہے کہ کس قدر جلد عربوں کی چھوٹی چھوٹی جماعتوں نے جو اپنے جذبہ سے دینی جذبہ کے ماتحت نکلیں، وہ قدیم طاقتور سلطنتوں کو مغلوب کر لیا تو وہ حیران رہ جاتا ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ابھی پچاس سال نہ ہوئے تھے کہ ان کے پیرووں نے ہندوستان کی سرحدوں پر، دوسری طرف بحر اٹلانٹک کے ساحل پر فتح کا جھنڈا نصب کر دیا، پہلی صدی ہجری کے آخر تک اسلامی سلطنت اس قدر وسیع ہو چکی تھی جس کی مسافت تیز سے تیز اونٹ پر پانچ ماہ سے کم میں نہ طے ہو سکتی تھی، خلفاء دمشق دنیا کے سب سے زیادہ طاقتور حکمران تھے، تمام انبیاء اپنے دعوے کو ثابت کرنے کے لئے معجزات لائے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ سب انبیاء سے زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے کیونکہ اسلام کا اس عجلت سے پھیلنا ان کا سب سے بڑا معجزہ اور تاریخ انسانی کا نادر ترین واقعہ ہے۔ روم کی زبردست شہنشاہیت جسے اس کے ہیرو "ٹراجان" نے وسیع کر لیا تھا صدیوں کی زبردست فتوحات کے بعد قائم ہو سکی تھی پھر بھی وہ اس عربی سلطنت کے برابر نہ تھی جو ایک صدی سے کم مدت میں قائم ہو چکی تھی۔ سکندر اعظم کی سلطنت اپنی وسعت اور ہمہ گیری کے باوجود خلفاء کی وسیع سلطنت کا صرف ایک حصہ تھی، ایرانی حکومت تقریباً ایک ہزار سال تک روم کا مقابلہ کرتی رہی لیکن یہ عظیم الشان سلطنت "سیف اللہ" کے ہاتھوں صرف چند سال کے عرصہ میں مغلوب ہو گئی"[2]

(1) H.A.L. Fisher. A History of Europe P.P 137/8.

(2) M. N. Roy, Historical Role of Islam P.P. 4,5,6,7.

"سیرت بانیٔ اسلام" کا مصنف اسٹاڈرڈ لکھتا ہے۔

"اسلام کی اس عظیم الشان کامیابی پر جس قدر ہم غور کرتے ہیں اسی قدر تعجب میں اضافہ ہوتا ہے اور عقل حیران رہجاتی ہے تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب نے بتدریج نشوونما پائی اور مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بہت سست رفتار سے کامیابی حاصل کی اور اس وقت تک وہ کوئی قوت حاصل نہ کرسکے جب تک کہ کسی زبردست بادشاہ یا طاقتور حکمران کی حمایت نہ حاصل ہوئی جس نے اس مذہب کو قبول کرکے اس کی تائید و تبلیغ میں اپنی تمام قوتیں صرف کردیں۔

نصرانیت کا ہیرو قسطنطین، بودھ مذہب کا اشوک، مزدکیت کا کیخسرو، یہ تینوں زبردست بادشاہ تھے، انھوں نے اپنے اپنے مذاہب کی اشاعت و تبلیغ میں اپنی ساری کوششیں صرف کردیں اور ہر قسم کے ذرائع استعمال کئے تب کہیں جاکر ان کے مذاہب کو فروغ حاصل ہوا لیکن اسلام کا معاملہ ان سے بالکل مختلف ہے۔

اسلام نے ایک صحرائی اور بنجر ملک میں نشوونما پائی جہاں چند وحشی اور غیر متمدن قبائل کی آبادی تھی جو کسی حیثیت سے قابل ذکر نہ تھے لیکن اسلام بغیر کسی قوم اور حکومت کی مدد کے تیزی سے پھیلنے لگا، اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہونے لگا، مخالفین کی تمام مزاحمتوں اور دشمنوں کی معاندانہ کوششوں کے باوجود اسلام کو نمایاں اور غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی اور دو سو سال سے پہلے پہلے اسلام کا پرچم بحر آتش سے لے کر ہمالیہ تک اور وسط ایشیا سے لے کر وسط افریقہ تک لہرانے لگا[1]۔

مشہور مورخ گبن لکھتا ہے۔

"عربوں نے بہت معمولی قوت سے شاہان روم و ایران کے خلاف محاذ قائم کیا اور یہ دونوں عظیم الشان سلطنتیں دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسے دشمن کا شکار ہوگئیں، جسے یہ دونوں صدیوں سے حقیر سمجھتی رہی تھیں، حضرت عمر کے عہد میں عربوں نے دس سال کی قلیل مدت میں ۳۶ ہزار شہر اور قلعے فتح کئے ۴ ہزار گرجے اور کفار کی عبادت گاہیں منہدم کیں (؟) اور مسلمانوں کی عبادت کیلئے ۱۴ ہزار مساجد تعمیر کیں۔

لہ۔ حاضر العالم الاسلامی جلد ۱

ہجرت نبوی کو ایک صدی نہ گزری تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا کی حکومت مکہ سے لے کر ہندوستان اور بحر اٹلانٹک کے ساحل تک پہونچ چکی تھی، اور ایران، شام، مصر، افریقہ، اسپین جیسے دور دور دراز ملکوں پر اسلامی پرچم لہرانے لگا تھا"۔[۱]

---

آیئے اب اس عجیب وغریب واقعہ پر ایک علمی نظر ڈالیں اور اس انقلاب عظیم کے حقیقی اسباب کا کھوج لگائیں

اس مادی دنیا میں حکومتیں اور فوجیں عام طور پر اپنے حریفوں پر اس لئے فتح پاتی ہیں کہ ان کی تعداد زیادہ ہوتی ہے یا ان کے جنگی ساز وسامان اور اسلحہ دشمن سے بہتر ہوتے ہیں یا ان کی عسکری تربیت اور حربی نظام عمدہ ہوتا ہے، یہی وہ مادی اسباب ہیں جن کی وجہ سے ایک فریق دوسرے فریق پر عموماً غالب آیا کرتا ہے اب ہم ان میں سے ہر ایک سبب پر علحدہ علحدہ بحث کرتے ہیں۔

جہاں تک تعداد کا تعلق ہے سب جانتے ہیں کہ مسلمانوں اور ان کے حریفوں کی تمام بڑی بڑی فیصلہ کن جنگوں میں فریقین کی تعداد میں کوئی تناسب نہ تھا رومیوں اور ایرانیوں کی تعداد اکثر لڑائیوں میں مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ تھی، جنگ یرموک میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے اور رومیوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ اسی ہزار۔ دوسری روایت کے مطابق دو لاکھ اور تیسری روایت کے مطابق دو لاکھ چالیس ہزار تھی، کم سے کم تعداد ایک لاکھ بیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ قریب قریب یہی تناسب جنگ قادسیہ میں ایرانیوں اور مسلمانوں کی تعداد میں تھا لیکن ان دونوں جنگوں کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ دنیا کو معلوم ہے۔

مسلمانوں کی قلت اور ان کے دشمن ایرانیوں اور رومیوں کی کثرت کا اعتراف تمام مورخین نے کیا ہے کسی ایک نے بھی مسلمانوں کی فتح کے اسباب میں "عددی فوقیت" کا ذکر نہیں کیا۔ تاریخ عالم کی ساتویں جلد چوتھی فصل میں ہے

"عربوں کی تعداد جو اپنے جزیرہ سے فتح کا عزم لے کر نکلے کچھ ایسی غیر معمولی نہ تھی جو شمار میں نہ آسکے"

---

[۱] - انحطاط روما وسقوطہا جلد ۵ ص ۲۷۲ تا ۲۷۵ طبع آکسفورڈ

عرب مورخوں کے نزدیک ہیں مسلمانوں کے پہلے لشکر کی تعداد صرف تین ہزار بتائی ہے، پھر خلیفہ نے ان کے پاس کمک بھیجی جس سے ان کی تعداد ساڑھے سات ہزار ہوگئی اور آخر میں زیادہ سے زیادہ ان کی تعداد چوبیس ہزار تک پہنچی، لیکن رومیوں کی تعداد عرب مورخین نے ایک لاکھ، بعضوں نے ایک لاکھ بیس ہزار اور بعض نے دو لاکھ تک بیان کی ہے، بازنطینی مورخین ۸۰ ہزار سے زیادہ نہیں بتاتے ہیں، بہرحال اتنی بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تعداد میں عربوں کے دشمنوں کو ہی فوقیت حاصل تھی یہی حال فارس کی تمام لڑائیوں کا ہے۔"[1]

یہ بھی معلوم ہے کہ جزیرۂ عرب کی آبادی رقبہ اور مسافت کے اعتبار سے بہت کم تھی کیونکہ عرب کا بیشتر حصہ صحراؤں ریگستانوں اور بنجر زمینوں پر مشتمل تھا جہاں سرے سے کوئی آبادی نہ تھی اس کے برعکس مسلمانوں نے جن ممالک پر حملہ کیا اور لشکر کشی کی وہ دنیا کی سب سے زیادہ آباد اور زرخیز ملک تھے، مسلمانوں کے دشمنوں کو نہایت آسانی سے برابر کمک پہونچتی رہتی تھی، ہر طرف سے فوجوں کے دل بادل امڈے چلے آتے تھے ملک کے ہر حصہ سے ان کو رسد بھی پہونچتی رہتی تھی، اور عرب اپنے وطن سے دور مسافرانہ حیثیت میں تھے، ان کی مثال ایک نقطہ کی مانند تھی جو دشمنوں کے سمندر میں گھرا ہوا ہو، وہ اپنے ملک سے دور تھے ' اپنے مرکز سے جدا تھے، انھیں بڑی دشواریوں اور کئی ماہ کی طویل مدت کے بعد مدد پہونچ سکتی تھی، ... رسد ملنے کی تو انھیں کہیں سے بھی توقع نہ تھی بس یہی سامان خورد و نوش انکو مل سکتا تھا جو وہ دشمنوں سے بزور چھین لیں۔

بالفرض اگر پورا جزیرہ عرب بھی رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ پر نکل آتا جو عقلاً محال ہے تو بھی رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں جو دنیا کی آبادی کا نصف حصہ تھے ان کی کوئی حیثیت نہ ہوتی، حالانکہ جو اہل عرب جہاد کے لئے نکلے وہ جزیرہ کی آبادی کا بیسواں حصہ بھی نہ تھے۔

علیٰ ہذا ساز و سامان اور آلاتِ جنگ میں عربوں کی حالت اور بھی زیادہ سقیم تھی وہاں نہ کوئی باتنخواہ فوج تھی اور نہ کوئی منظم لشکر جسے حکومت اپنی طرف سے اسلحہ وغیرہ مہیا کرے اور کیل کانٹے سے درست کرکے میدان جنگ میں بھیجے۔

وہاں تو لوگوں نے بطیب خاطر اپنے کو رضاکارانہ طور پر پیش کیا تھا اور خود اپنی تیاری سے رضاء الٰہی

---

(1) . حاضر العالم الاسلامی حواشی امیر شکیب ارسلان جلد ۱ ص ۲۹

حاصل کرنے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ میں شریک ہوئے تھے۔ بہت سے ایسے بھی تھے جن کے پاس سواری نہ تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے کوئی انتظام نہ کر سکے، ان لوگوں کو سعادت جہاد سے محرومی پر بڑا رنج رہا بیچارے اپنی ناداری اور مفلسی پر متاسف ہو کر بیٹھ رہے ان ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی (وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ٥ پارہ ۱۰)

مسلمانوں کی بے سروسامانی دیکھ کر رومی اور ایرانی ہنستے تھے، ان کے بوسیدہ لباس اور معمولی ہتھیاروں کا مذاق اڑاتے تھے، ابووائل جو قادسیہ کی جنگ میں شریک تھے کہتے ہیں کہ ایرانی مسلمانوں سے کہتے تھے تمہارے پاس نہ اچھے ہتھیار ہیں نہ کوئی جنگی طاقت ہے تم نے یہاں آنے کی ہمت کیسے کی۔؟ جاؤ اب بھی واپس جاؤ" ہم نے کہا ہم لوٹنے والے لوگ نہیں وہ ہمارے تیروں کو دیکھ کر ہنستے تھے اور کہتے تھے "دوک" "دوک" انھوں نے ہمیں (غالبًا لاغری کی وجہ سے) تکلوں سے تشبیہ دی (۲)

ابن کثیر کا بیان ہے کہ سعد (رضی اللہ عنہ) نے اپنے چند ساتھیوں کو کسریٰ کے پاس بھیجا تاکہ جنگ سے پہلے اسے اسلام کی دعوت دیں، ان لوگوں نے کسریٰ سے اجازت مانگی جب کسریٰ نے اجازت دی اور یہ لوگ دربار جانے لگے تو شہر والے ان کو دیکھنے کے لئے نکل آئے، یہ لوگ مسلمانوں کی صورت ان کی ہیبت، ان کا بوسیدہ لباس، ان کے پھٹے پرانے جوتے اور ان کے ضعیف و لاغر گھوڑوں کو دیکھ کر ہنستے تھے اور حیران تھے کہ یہ لوگ کس طرح ان کے عظیم الشان لشکر کا جو ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہے مقابلہ کریں گے (۳)

"مارکس مایر ہوف" اپنی کتاب "العالم الاسلامی" میں لکھتا ہے۔

"ہمارے لئے یہ سمجھنا تقریبًا ناممکن ہے کہ کس طرح عربوں نے جو مختلف قبائل میں منقسم تھے اور جن کے پاس

---

لہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جہاد میں شریک نہ ہونے کی بنا پر ان مخلصوں پر کوئی مواخذہ نہیں ہے جن کا حال یہ ہے کہ وہ رسول کے پاس اس لئے آتے ہیں کہ ان کے لئے سفر جہاد میں جانے کا سامان ہو جائے، اور رسول بھی ان سے معذرت کر لیتے ہیں کہ میرے پاس کوئی سواری وغیرہ نہیں ہے تو وہ اس افسوس اور غم میں روتے ہوئے واپس جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ بھی سرمایہ نہیں ہے جس کو خرچ کر کے وہ یہ سعادت حاصل کر سکیں۔ ۱۲۔

(۲) البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۳۱ (۳) ایضًا جلد ۷ صفحہ ۴۲۔

ضروری جنگی سامان بھی نہ تھا اس تعداد قلیل نے رومیوں اور ایرانیوں کو شکست دیدی جو تعداد اور ساز و سامان میں اُن سے بہت زیادہ تھے، فنون جنگ سے واقف تھے اور منظم لشکر کی حیثیت سے جنگ کر رہے تھے۔(۱)

مسلمانوں کے غلبہ اور فتوحات کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس زمانے میں عربوں کا جنگی نظام رومیوں اور ایرانیوں سے بہتر تھا، ان کے دستے زیادہ منظم اور مشاق تھے، ان کا عسکری نظام بہت عمدہ تھا وہ رومی اور ایرانی لشکر کے مقابلہ میں اپنے امرا اور سپہ سالاروں کے زیادہ مطیع تھے، پس عربوں کو باوجود ان کی قلت تعداد کے ان کے دشمن رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں جو کامیابی ہوئی اس کی وجہ عربوں کی یہی جنگی مہارت اور ان کی آزمودہ کاری ہے، ان کی جاہلی تربیت نے جو خالص جنگی تربیت تھی انھیں جنگ میں کافی مشاق بنا دیا تھا۔

یہ توجیہ بظاہر کچھ صحیح اور سابق توجیہوں سے زیادہ وزنی معلوم ہوتی ہے لیکن اگر آپ ایک مورخ اور نقاد کی طرح اس کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ایک زبردست مغالطہ ہے جو یورپین مورخین اپنا دل بہلانے کے لئے یا دنیا کو دھوکہ دینے کے لئے دیا کرتے ہیں۔

قرون وسطیٰ کی تاریخ سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ رومیوں اور ایرانیوں کا جنگی نظام اس زمانہ میں بہت ترقی یافتہ تھا، بازنطینی حکومت ساتویں صدی عیسوی کی ابتداء میں اپنے عروج کو پہنچ چکی تھی اسی زمانے میں رومیوں نے ایرانیوں کو شکست فاش دی تھی، انھیں پیچھے ڈھکیل دیا تھا اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے اندرون فارس تک گھس گئے تھے۔ "ھرقل" نے اسی زمانہ میں "دجلہ" کی نہر اور "کرد" کے پہاڑوں کو عبور کر لیا تھا "ساباط" اور "نینوا" کی خون آشام اور فیصلہ کن جنگوں کے بعد وہ "دستجرد" اور "مدائن" تک بڑھ گیا تھا اور وسط ایران میں رومی فتح کا جھنڈا نصب کر دیا تھا یہ سب کچھ سنہ ۶۲۵ء میں ہوا یعنی شام پر مسلمانوں کی لشکر کشی سے صرف بارہ سال پہلے، علاوہ ازیں رومیوں اور ایرانیوں میں جو لڑائیاں ہوئیں ان سے فریقین کو بہت کچھ جنگی تجربات ہوئے، جنگ کے نئے نئے طریقے معلوم ہوئے، ایک دوسرے کے طریق جنگ سے واقفیت ہوئی جس طرح صلیبی لڑائیوں میں مسلمانوں نے عیسائیوں سے اور عیسائیوں

(۱) حاضر العالم الاسلامی حواشی امیر شکیب ارسلان جلد ۱ صفحہ ۲۹

نے مسلمانوں سے بہت کچھ جنگی فائدے اُٹھائے تھے، اور مشہور مورخ "گبن" نے تسلیم کیا ہے کہ رومیوں کا جنگی نظام عربوں سے بہتر تھا وہ اپنی کتاب کی پانچویں جلد صفحہ "۱۳" پر لکھتا ہے۔

"میں بار بار اس حقیقت کا اعادہ کروں گا کہ عربوں کے حملے اور ان کا طریق جنگ رومیوں اور یونانیوں کی طرح نہ تھا جن کے پاس باضابطہ منظم اور طاقتور فوج تھی، عربوں کی جنگی طاقت سواروں اور تیر اندازوں پر مشتمل تھی اور اب تک انھیں صرف قبائلی اور شخصی جنگوں سے سابقہ پڑا تھا جن میں معمولی چھیڑ چھاڑ ہوا کرتی تھی اور کبھی کبھی بغیر کسی فیصلہ کے ایک مدت تک قائم رہتی تھی۔"

پس یہ بات کہ عرب اپنی قبائلی جنگوں کی وجہ سے جن کا سلسلہ برابر قائم رہتا تھا اتنے طاقت ور اور مشاق ہو گئے تھے کہ روم اور ایران کی شہنشاہیوں کو انھوں نے شکست دیدی بالکل بعید از قیاس اور غیر معقول ہے، عربوں میں جو قبائلی جنگیں ہوا کرتی تھیں اُن سے یہ طاقت کس طرح پیدا ہو سکتی تھی کہ اتنی عظیم الشان سلطنتوں پر فتح حاصل کی جا سکے، اسلام سے پہلے انھی عربوں نے اپنی ساری جنگی قابلیت کے باوجود حبشہ سے شکست کھائی جنوبی عرب میں انھوں نے ایران کی اطاعت قبول کر لی تھی، ابرھہ کے لشکر نے مکہ پر چڑھائی کی تو وہ بے بس ہو گئے، خدا نے خود اپنے گھر کی حفاظت کی اور "اصحاب فیل" کو "عصف ماکول" بنایا اور قریش کو لڑائی کی زحمت سے بچایا پس اگر یہ خیال صحیح ہو کہ عربوں کی فتوحات کا راز ان کی جنگی قابلیت ہے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے انھوں نے کبھی اپنے جزیرہ سے نکلنے اور دوسرے ملکوں پر حملہ کرنے کی جرءت کیوں نہ کی۔؟ صدیوں تک اپنے جزیرہ میں کیوں گمنام اور ذلیل زندگی بسر کرتے رہے۔؟ بعثت نبوی سے پہلے انھوں نے ایران اور روم پر کیوں نہ حملہ کیا۔؟ اور بعثت کے بعد فوراً ہی کیوں حملہ کر دیا؟ صدیوں تک وہ ایران اور روم "دو دلاشیروں" سے کیوں لرزاں اور خائف رہے۔؟

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ عرب جنگ کے خوگر تھے، ان کا جنگی نظام بہتر تھا، ان کی سپاہ میں تعاون اور ایک دوسرے پر فدا ہونے کا جذبہ بہت بڑھا ہوا تھا، وہ اپنے امیر اور قائد کے پوری طرح مطیع تھے، انھیں اللہ کی راہ میں جان دینے کا شوق تھا، لیکن ہر صاحب عقل انسان سمجھ سکتا ہے کہ "نظام" کوئی مصنوعی اور میکانکی شے نہیں جو محض عسکری تنظیم فنون جنگ یا ریاضی کے قواعد سے حاصل ہو جائے، پتھروں کی آپ کیسی ہی صف قائم کریں انھیں کتنی ہی عمدہ ترتیب سے چنیں، ستونوں اور

دیواروں کو آپ ریاضی کے کتنے ہی مکمل قاعدے سے کھڑا کریں اس کی تنظیم اور صف بندی سے کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔

ہم نے تاریخ میں یہ بھی پڑھا ہے کہ (عربوں کے مقابلہ میں) رومیوں اور ایرانیوں نے بعض بعض لڑائیوں میں اپنے کو زنجیروں سے باندھ دیا تھا اور اپنے پیچھے خندقیں کھود دی تھیں تاکہ پسپا نہ ہو سکیں اور میدان جنگ سے نہ بھاگ سکیں لیکن یہ سب تدبیریں بے سود ثابت ہوئیں، غرضکہ نظام جنگ" کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا، اہم وہ جذبہ ہے جو لڑنے والوں کے دماغ پر مستولی رہتا ہے اور وہ روح اور وہ مقصد ہے جس کے لئے فوج لڑتی ہے، اپنے مقصد سے عقیدت اور وابستگی ایسی طاقت ہے جس سے انسانوں میں غیر معمولی شجاعت پیدا ہو جاتی ہے اور ان سے ایسے محیر العقول کارنامے صادر ہوتے ہیں کہ فلاسفہ اور مورخین ان کی توجیہ سے عاجز رہتے ہیں۔

اب دیکھنا چاہئے کہ عربوں میں وہ کونسا جذبہ تھا جس کے ماتحت وہ دنیا کو فتح کرنے کا عزم رکھتے تھے اور نصف صدی کے اندر انھوں نے نصف عالم کو فتح کر لیا تھا۔

ان شاندار فتوحات کا راز اور اس حیرت انگیز انقلاب کی وجہ جن کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی یہ اور صرف یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی برکت سے عربوں میں ایک نئی روح اور نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا، اب وہ پہلے کی طرح بے نظم اور لا مذہب نہیں تھے، بلکہ وہ ایک زندہ مذہب کے حامل اور زبردست قوت کے مالک ہو چکے تھے ان کو از سر نو زندگی ملی تھی ان کی دماغی تربیت بالکل نئے طریقہ پر ہوئی تھی، ان کی ذہنیتوں میں انقلاب آچکا تھا، دنیا ان کے لئے اور وہ دنیا کے لئے بالکل بدل چکے تھے، انھوں نے دنیا پر نگاہ ڈالی وہ دنیا جو ان کے لیے کبھی حیرت و استعجاب کا سبب تھی اور وہ اسے للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا کرتے تھے اب ان کی نظر میں حقیر اور بے مایہ تھی، انھوں نے دیکھا کہ دنیا میں ہر طرف ظلم و فساد کا دور دورہ ہے فسق و فجور کی گرم بازاری ہے، تاریکی کا غلبہ ہے، وہ قومیں اور وہ جماعتیں جنھیں وہ ہمیشہ عزت و احترام اور رشک و تعظیم کی نظر سے دیکھا کرتے تھے، اب ان کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ سب انسانوں کی صورت میں جانور اور چوپائے ہیں جو جانوروں کی طرح کھاتے پیتے اور اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں، لیکن انسانی صفات سے عاری ہیں، انھیں ایسا معلوم ہوا کہ یہ سب پتھر کی مورتیں اور گڑیاں ہیں جنھیں انسانی لباس پہنا دیا گیا ہے، اب وہ اپنی ظاہری

شان و شوکت دنیاوی ساز و سامان اور ٹھاٹھ و زینت کے باوجود ان کی نظروں میں حقیر ہو گئے۔ انھوں نے باری تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا "زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ" (یہ دنیاوی زندگی کی بہار ہے تاکہ ہم ان کو اس میں آزمائیں) "وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ" (اور اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو ان کے مال و اولاد کی کثرت پر متعجب نہ ہونا چاہیے، اللہ چاہتا ہے کہ انھیں اس کی وجہ سے دنیا میں عذاب دے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مریں)

انھیں احساس ہوا کہ اللہ نے ان کو اس لئے مبعوث کیا ہے کہ وہ لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائیں، انسانوں کی بندگی چھڑا کر خدا کی بندگی پر آمادہ کریں، انھیں دنیا کی تنگی سے نکال کر کشادگی کی طرف لائیں اور مذاہب کی کجروی اور بے اعتدالی سے نکال کر اسلام کی صراط مستقیم پر لگائیں[1]۔ انھیں اللہ نے ان کی زمین، مکانات اور مال و اسباب کا وارث بنایا ہے اور ایسی زمین کا وارث بنایا ہے جس پر وہ اب تک سا چلے نہیں، انھیں زمین کی خلافت عطا کی ہے۔ اور اقتدار دیا ہے، انھوں نے باری تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا کہ "وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ" (اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے) اور یہ کہ "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا" (اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائے اور عمل صالح کیا یقیناً انھیں زمین کی خلافت عطا کرے گا جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی اور ان کے اس دین کو غالب بنائے گا جس کو ان کے لئے منتخب کیا ہے اور انھیں خوف کے بعد امن کی حالت میں تبدیل کر دے گا، میری عبادت کریں گے اور کسی چیز کو میرا شریک نہ بنائیں گے۔)

---

(۱) خط کشیدہ کلمات ربعی بن عامر کے ہیں جو انھوں نے یزدگرد کے دربار میں مسلمانوں کے قاصد کی حیثیت سے ادا کئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر انھیں حرف بحرف یقین تھا کہ "ان[1] اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا وان امتی سیبلغ ملکھا ما زوی لی منھا واعطیت الکنزین الاحمر والابیض" اللہ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے مشرق و مغرب سب دیکھ لیا میری امت کی حکومت وہاں تک پہونچیگی جہاں تک میرے لئے زمین سمیٹی گئی اور مجھے "سرخ" و "سفید" دونوں خزانے دیئے گئے اور یہ کہ "اذا[2] ھلک کسری فلا کسری بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ والذی نفسی بیدہ لتنفقن کنوزھما فی سبیل اللہ" (جب کسری ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کسری نہ ہوگا قیصر جب مٹ جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ ان کے خزانے خدا کی راہ میں خرچ کرو گے)

ان کو یقین تھا کہ خدا ان کی مدد کا ضامن ہے اس نے ان سے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور خدا کا وعدہ کبھی غلط نہیں ہو سکتا، انھیں خدا اور اس کے رسول کے وعدوں پر پورا اطمینان تھا، قلت و کثرت کا سوال ان کے لئے ہیچ ہو گیا خطرات کا خوف ان کے دلوں سے جاتا رہا، ان کو خدا کا یہ قول یاد رہا کہ "ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون" (اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہی تمھاری مدد چھوڑ دے تو اس کے بعد کون تمھاری مدد کر سکتا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے) اور یہ کہ "وکم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین ہ" (کتنی ہی کم تعداد والی جماعتیں بڑی تعداد والی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئیں، اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

مسلمانوں کے بعض دشمن معاصرین اس وقت کے اہل علم و بصیرت رومیوں اور ایرانیوں نے بھی اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا، ابن کثیر کی روایت ہے کہ جب ہرقل کو مسلمانوں کی لشکر کشی کی خبر ملی تو اس نے شامیوں سے کہا "یہ لوگ ایک نئے مذہب کے پیرو ہیں ان کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا، میرا کہنا مانو اور انھیں شام کا نصف خراج دے کر صلح کر لو تاکہ روم کے پہاڑ تمھارے لئے بچ جائیں اور اگر نہ مانو گے تو یہ تم سے شام بھی لے لیں گے اور روم کے پہاڑ بھی تم پر تنگ کر دیں گے"[3]

(۱) ترمذی (۲) ترمذی (۳) البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۵۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ وہ اللہ کے دین کے فروغ کی جدوجہد اور عام انسانوں کی ہدایت کے لیئے مبعوث ہوئے ہیں اور قوموں کی اصلاح کا کام ان کے سپرد ہوا ہے اور یہ کہ اللہ ان کا مددگار ہے اور ان کی کامیابی کا ذمہ دار ہے اس کا ثبوت ان کے ہر قول و فعل سے ملتا ہے، ان کے دلوں کا اطمینان اور خود اعتمادی اسی عقیدہ کا نتیجہ تھی، جنگ یرموک کے موقع پر جب امراء نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو اپنی مشکلات کا حال لکھا، رومیوں کی کثرت تعداد اور ان کی جنگی تیاریوں کی اطلاع دی تو انھوں نے جواب میں لکھا۔

"تم سب مجتمع رہو اور ایک فوج بن کر مشرکین کا مقابلہ کرو، تم اللہ کے مددگار ہو اللہ اپنے مددگاروں کی مدد کرتا ہے کافروں کی مدد نہیں کرتا، تم کو "قلت" سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا ہاں اگر تمھیں نقصان پہونچ سکتا ہے تو اپنے گناہوں سے پس ان سے بچتے رہو"(۱)

اسی طرح جب حضرت عمر نے "نہاوند" کے معرکہ کے لئے عراق جانے کا قصد کیا اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"اے امیر المومنین، اس معاملہ میں کامیابی اور ناکامی کا دارومدار قلت و کثرت پر نہیں ہے اللہ نے اپنے دین کو غالب بنایا ہے اپنی فوج کو عزت دی اور ملائکہ کے ذریعہ اس کی مدد کی یہاں تک کہ اسلام کو یہ قوت حاصل ہوئی، ہمیں خدا کے وعدہ پر بھروسہ کرنا چاہئے وہ اپنے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا اور اپنی فوج کی مدد کرے گا"(۲)

اس عقیدہ کی بدولت مسلمانوں میں عجیب و غریب بے خوفی پیدا ہو گئی تھی وہ اپنی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیتے تھے اور ایسے ایسے کام کر گزرتے تھے جو انسانی طاقت سے باہر ہیں، یہ واقعہ بھی کچھ کم عجیب و غریب نہیں کہ مسلمانوں نے اپنے گھوڑے دریائے دجلہ میں ڈال دیئے، اور اطمینان کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے چلتے رہے گویا وہ دریا میں نہیں بلکہ خشکی پر چل رہے ہیں ایرانی یہ منظر دیکھ کر کہنے لگے "دیوآ گئے" "دیوآ گئے" اور "دیوانے" "دیوانے" پکار اٹھے، اس موقع پر سلمان فارسی حضرت سعدؓ کے ہمراہ تھے حضرت سعدؓ نے فرمایا "حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل" (اللہ ہمارے لیئے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے) خدا

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷ صفحہ ۵ (۲) ایضاً جلد ۷ صفحہ ۱۰۷

کی قسم اللہ اپنے دوستوں کی ضرور مدد کرے گا، اپنے دشمنوں کو شکست دے گا اور اپنے دین کو غالب کریگا اگر فوج میں کشیدگی اور ایسے گناہ نہ ہوئے جو نیکیوں پر غالب آجائیں"

حضرت سلمان نے فرمایا خدا کی قسم مسلمانوں کے لئے سمندر بھی اسی طرح مطیع کر دیا گیا ہے جس طرح خشکی قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے مسلمان سمندر سے اسی طرح نکل جائیں گے جس طرح داخل ہوئے ہیں" چنانچہ ایسا ہی ہوا مسلمان سمندر سے صحیح و سالم نکل آئے ایک شخص بھی غرق نہ ہوا اور نہ ان کی کوئی چیز ضائع ہوئی"[1]

اس عقیدہ نے مسلمانوں کے دلوں میں بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی، کیسے ہی ناخوشگوار اور ناموافق حالات پیش آتے ان کے عزم و ارادہ میں کوئی ضعف نہ آتا، ان کے سکون و اطمینان میں کوئی فرق نہ پڑتا، تعداد اور سازوسامان کو وہ ہیچ سمجھنے لگے تھے مادہ اور اسباب کی پرستش سے وہ بے نیاز ہو چکے تھے اُن کا عقیدہ تھا کہ ہم دین کی قوت سے لڑتے اور اسلام کی برکت سے فتح پاتے ہیں ان کے دلوں میں اسی دینی جذبہ کا بڑا احترام تھا اور اُسی کو اپنی عزیز ترین متاع اور اصل قوت یقین کرتے تھے وہ جانتے تھے کہ ہمیں جو کچھ عزت حاصل ہوئی وہ اس دینی روح ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔

یونس نے بسند ابن اسحٰق روایت کیا ہے کہ مسلمانوں کو جب معلوم ہوا کہ "ھرقل" ایک لاکھ رومیوں اور ایک لاکھ مستعربین کے ساتھ "ماب" میں آپہونچا ہے (حالانکہ مسلمانوں کی تعداد اس وقت تین ہزار سے زائد نہ تھی) تو اُن کو بڑی فکر دامنگیر ہوئی اور دو راتیں "معان" میں قیام کر کے جنگ کے مسئلہ پر غور کرتے رہے، بعض لوگوں کی رائے ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام حالات لکھ دیئے جائیں اور دشمن کی تعداد سے مطلع کیا جائے یا تو وہ مدد بھیجیں اور یا ہمیں اور کوئی حکم دیں جس پر ہم عمل کریں عبداللہ بن رواحہ نے یہ رائے سنکر لوگوں کو ہمت دلائی اور کہا اے لوگو خدا کی قسم تم اسی "شہادت" سے گھبرا رہے ہو جس کے لئے تم نکلے تھے، ہم دشمنوں سے تعداد اور قوت کے بھروسہ پر نہیں لڑتے ہم تو اس دین کے بھروسہ پر لڑتے ہیں جس کے ذریعہ اللہ نے ہم کو عزت بخشی، چلو ہمیں دو "بھلائیوں" میں سے ایک ضرور ملے گی شہادت یا فتح لوگوں نے کہا خدا کی قسم ابن رواحہ سچ کہتے ہیں اور لوگ چل پڑے[2]

---

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷ صـ ۱۲۴ (۲) ایضاً جلد ۴ صـ ۲۴۳

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن فتوحات کی پیشین گوئی کی تھی، انھیں ان پر پورا یقین تھا، چنانچہ جب کبھی کوئی فتح ہوتی تو وہ کہتے "یہ وہی ہے جس کا ہم سے خدا اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا" اور ان کے ایمان و اطاعت میں اضافہ ہو جاتا۔

جنگ یرموک کے دن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا میں شہادت کے لئے بالکل تیار ہو گیا ہوں اور انشاء اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچوں گا آپ کا کوئی پیغام تو نہیں ہے؟ انھوں نے کہا ہاں آن سے میرا سلام کہنا اور کہنا یا رسول اللہ ہم نے اپنے خدا کا وعدہ سچا پایا (1)

کثرت تعداد اور دشمن کی تیاریوں کی طرف سے ان کو اس قدر بے اعتنائی تھی کہ معلوم ہوتا تھا وہ لوہے کے بنے ہوئے ہیں اور دشمن مٹی پتھر کے بنے ہوئے ہیں، یا وہ درانتیاں ہیں اور ان کے حریف پکی ہوئی کھیتیاں ہیں جن کے کٹنے کا وقت آگیا ہے، مورخین کا بیان ہے کہ عراق سے واپس ہوتے ہوئے حضرت خالد کا گھوڑا کچھ بیمار ہو گیا تھا جب وہ عراق سے واپس آئے تو ان سے ایک عرب نصرانی نے کہا "رومی کتنے زیادہ ہیں اور مسلمان کس قدر کم ہیں؟" حضرت خالد نے کہا "برا ہو تیرا تو مجھے رومیوں کی کثرت سے ڈراتا ہے، فتح اور ناکامی کا دارومدار آدمیوں کی قلت اور کثرت پر نہیں بلکہ اللہ کی مدد پر ہے، اگر اس کی نصرت رہے تو تھوڑے بھی بہت ہیں اور اگر وہ مدد و نصرت سے ہٹا لے تو بہت بھی تھوڑے ہیں، میری تمنا ہے کہ میرا گھوڑا اچھا ہو جاتا خواہ رومی تعداد میں دگنے ہو جائیں (2)۔

ان لوگوں کے دل مضبوط تھے ہمتیں بلند تھیں، عزائم پختہ تھے ان کی نظروں میں دین و اخلاق کی اتنی عظمت تھی کہ دنیا اور دنیا کی ساری زینتیں ان کی نگاہوں میں ہیچ ہو گئی تھیں دنیا والے ان کی نظروں میں حقیر ہو گئے تھے، ان کے مظاہر، بادشاہوں کے جلال، امراء کے ٹھاٹھ باٹھ دولتمندوں کا سامان آرائش ان کی نگاہوں میں بچوں کا کھلونا معلوم ہوتا تھا، وہ ان چیزوں کو اس طرح دیکھتے تھے گویا وہ سونے اور چاندی کے بنے ہوئے کھلونے اور گڑیاں دیکھ رہے ہیں، ان کی نگاہوں میں نہ ان چیزوں کی کوئی قیمت تھی نہ وہ ان سے مرعوب ہو سکتے تھے۔

حضرت سعدؓ نے ربعی بن عامر کو ایرانی لشکر کے سپہ سالار رستم کے پاس قاصد بنا کر بھیجا، رستم

---

(1) البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۱۲ (2) البدایۃ جلد ۷ ص ۹۵

بھی مسلمانوں کو مرعوب کرنے کے لئے اپنے دربار کو خوب سجایا تھا، ہر طرف سنہرے اور ریشمی قالین بچھے تھے، موتی یاقوت کی بنی ہوئی مختلف قیمتی اشیاء رکھی تھیں، رستم اپنا تاج پہنے ہوئے سونے کے تخت پر بیٹھا تھا، حضرت ربعی پھٹے پرانے کپڑے پہنے، تلوار اور ڈھال لئے ایک معمولی اور پست قامت گھوڑے پر سوار دربار میں داخل ہوئے، دربار کا فرش گھوڑوں کی ٹاپوں سے خراب ہو گیا لیکن وہ سوار ہی رہے، پھر اتر کر گھوڑے کو ایک گاؤ تکیہ سے باندھ دیا اور ہتھیاروں سمیت رستم کی طرف بڑھے ایرانیوں نے کہا اپنے ہتھیار اتار دو لیکن انھوں نے کہا میں خود سے نہیں آیا بلکہ تمہارے بلانے پر آیا ہوں اگر تم کو منظور نہیں تو میں واپس جاتا ہوں رستم نے کہا انہیں آنے دو، حضرت ربعی اپنے نیزہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، نیزہ کی انی سے قالین پھٹ گیا۔

ایرانیوں نے پوچھا تم یہاں کیوں آئے ہو۔؟ حضرت ربعی نے کہا اللہ نے ہم کو یہ کام سپرد کیا ہے کہ ہم لوگوں کو انسانوں کی بندگی کے بجائے خدائے واحد کا پرستار بنائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر کشادگی کی طرف راہنمائی کریں، مذاہب کی کجروی اور بے اعتدالی کے بجائے اسلام کی صراط مستقیم پر لگائیں، جو ہماری اس دعوت کو قبول کرے گا ہم اس سے کوئی تعرض نہ کریں گے اور جو انکار کرے گا ہم اس سے برابر لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو، ایرانیوں نے پوچھا اللہ کا وعدہ کیا ہے۔؟ انھوں نے کہا جو مر جائے اس کے لئے جنت اور جو زندہ رہے اس کے لئے فتح اور کامیابی۔

رستم نے کہا ہم نے تمہاری گفتگو سن لی کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس مسئلہ کو مؤخر کر دو تاکہ ہم اور تم اس پر اچھی طرح غور کر لیں۔؟ حضرت ربعی نے کہا ہاں تم کتنا وقت چاہتے ہو ایک دن یا دو دن؟ رستم نے کہا نہیں ہم اتنی مہلت چاہتے ہیں کہ قوم کے سرداروں اور اہل الرائے سے مشورہ کر سکیں، حضرت ربعی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے یہ طریقہ مقرر نہیں کیا کہ ہم جنگ کے موقع پر دشمن کو تین دن سے زیادہ مہلت دیں اپنے معاملہ پر اچھی طرح غور کر کے تین باتوں میں سے ایک اختیار کر لو، رستم نے پوچھا کیا مسلمانوں کے سردار تم ہی ہو۔؟ حضرت ربعی نے کہا نہیں، لیکن مسلمان ایک جسد واحد کی طرح ہیں ان کا ہر فرد ذمہ دارانہ حیثیت رکھتا ہے ان کا معمولی سپاہی بھی سردار کی رائے کے بغیر معاہدہ کر سکتا ہے اور پناہ دے سکتا ہے

رستم نے اپنے سرداروں کو جمع کیا اور کہا تم نے اس سے زیادہ سنجیدہ اور پروقار گفتگو کبھی سنی ہے؟ انھوں نے کہا خدا نہ کرے آپ اس کی طرف مائل ہو جائیں اور اپنا دین چھوڑ دیں، آپ نے اس کے کتے کا لباس نہیں دیکھا، رستم نے کہا برا ہو تمھارا لباس کو نہ دیکھو عقل گفتگو اور سیرت کو دیکھو عرب ہمیشہ سے کھانے اور لباس کی پروا نہیں کرتے اور عزت و شرافت پر جان دیتے ہیں۔(۱)

اسی طرح مغیرہ بن شعبہؓ رستم کے پاس گئے اور اس کے برابر تخت پر بیٹھ گئے، ایرانیوں کو یہ بات ناگوار ہوئی وہ شور مچانے لگے، مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا "اس سے میرے اعزاز میں کوئی اضافہ نہیں ہوا اور نہ تمھارے سردار کی توہین ہوئی"۔ رستم نے کہا سچ ہے"(۲)

مسلمانوں کے سب سے بڑے مددگار اور معاون اُن کے اخلاق عالیہ ان کی ایمانی صفات اور اُن کی نیکی سیرت تھی، وہ اس وصف میں ممتاز اور معروف تھے جہاں کہیں جاتے اور قیام کرتے ان کے اخلاق حسنہ اور ایمانی اوصاف اس کا مقدمۃ الجیش ہوتے یہ اخلاق و اوصاف اُن کے لئے دلوں کو مسخر کر لیتے تھے، نفوس میں ان کی عظمت و محبت پیدا کر دیتے تھے، تلواروں نیزوں اور بھالوں سے پہلے ان کے اوصاف و اخلاق اپنا کام کر لیتے تھے۔ جو لوگ ان کے اخلاق حسنہ اور حسن عمل کا مشاہدہ کرتے انھیں یقین ہو جاتا کہ یہ لوگ مغلوب نہیں ہو سکتے اور عنقریب یہ دنیا پر چھا جائیں گے اور یہ کہ ان کے اور اُن کے معاصرین کے درمیان انسانوں اور جانوروں کا فرق ہے۔

احمد بن مروان مالکی اپنی کتاب "مجالسۃ" میں ابو اسحٰق سے روایت کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"لڑائی کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں دشمن ایک سکنڈ بھی نہ ٹھہر پاتے تھے، رومی جب شکست کھا کر انطاکیہ آئے تو ہرقل نے اُن سے کہا مجھے بتاؤ وہ کیسے لوگ ہیں جن سے تم جنگ کرتے ہو کیا وہ تمھاری طرح انسان نہیں ہیں؟ رومیوں نے کہا کیوں نہیں، وہ انسان ہی ہیں، ہرقل نے کہا پھر تعداد میں تم زیادہ ہو یا وہ۔؟ رومیوں نے کہا نہیں ہم اُن سے ہر موقع پر کئی گنا زیادہ رہے، ہرقل نے کہا پھر تم کو کیوں شکست ہوتی ہے؟ رومی سرداروں میں سے ایک بڈھے شخص نے کہا "اس لئے کہ وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزہ رکھتے ہیں، عہد پورا کرتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۴۲ ۔ (۲) ایضاً جلد ۷ ص ۴۲

ہیں، آپس میں عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں اور ہم شراب پیتے ہیں، زنا کرتے ہیں، حرام کے مرتکب ہوتے ہیں، عہد توڑتے ہیں، ایک دوسرے کا حق غصب کرتے ہیں، ظلم کرتے ہیں، ایک دوسرے کو برائی کی تلقین کرتے ہیں، زمین میں فساد کرتے ہیں، خدا کی نافرمانی کرتے ہیں ھرقل نے کہا تم سچ کہتے ہو"

"اسی ھرقل نے ایک رومی سے جو مسلمانوں کے یہاں قید ہو گیا تھا کہا "مجھے ان کے حالات سناؤ" اس نے کہا "میں آپ کو اس طرح سناؤں گا گویا آپ انھیں اپنی نظر سے دیکھ رہے ہیں "دن کو وہ شہسوار ہوتے ہیں، رات کو راہب معلوم ہوتے ہیں، ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقہ پر نہیں کھاتے، نہ ایک دوسرے کے یہاں بغیر سلام کے داخل ہوتے ہیں، دشمن کے مقابلہ پر جب تک انھیں فتح نہ ہو جائے پہاڑ کی طرح جمے رہتے ہیں" ھرقل نے کہا "اگر تم سچ کہتے ہو تو وہ دن دور نہیں جب یہ لوگ میرے قدموں کے نیچے کی زمین لے لیں گے"(۱)

ایک اور رومی اپنے سردار سے مسلمانوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"وہ لوگ ضعیف و لاغر ہیں، شریف گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں، رات کو وہ راہب معلوم ہوتے ہیں، دن کو شہسواری کرتے ہیں اور اپنے نیزے بھالے درست کیا کرتے ہیں، قرآن خوانی اور ذکر و تسبیح کی وجہ سے ان کی مجلس میں ایسا شور رہتا ہے کہ اگر آپ اپنے ہمنشیں سے کوئی بات کریں تو وہ سُن نہ سکے"

سردار نے یہ سنکر اپنے ساتھیوں سے کہا یہ ان کے ایسے حالات بتاتا ہے جن کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے"(۲)

ان اخلاق نے مسلمانوں کو اپنے ان دشمنوں میں بھی محبوب بنا دیا تھا جن سے وہ جنگ کیا کرتے تھے وہ ان اخلاق کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنے ہم مذہب اور ابنائے وطن پر ترجیح دیتے تھے۔ ان کی فتح کے متمنی رہتے تھے اور درپردہ ان کی خیر خواہی کیا کرتے تھے۔ علامہ بلاذری فتوح البلدان میں لکھتے ہیں۔

"ابو حفص دمشقی سعید بن عبد العزیز کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ جب ھرقل نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کیا اور مسلمانوں کو ان کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے حمص والوں سے جو جزیہ لیا تھا وہ انھیں واپس کر دیا اور کہدیا کہ اب ہم اپنی سخت مشغولیت کی وجہ سے تمہاری

(۱) البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۵ (۲) ایضاً جلد ۷ ص ۱۶

حفاظت کی ذمہ داری ادا نہیں کر سکیں گے لہٰذا جزیہ کی جو رقم ہم نے تمہاری حفاظت کے عوض میں لی تھی وہ واپس ہے۔ تم خود اپنی حفاظت کا انتظام کر لو۔ حمص والے اس ایمانداری سے بہت متاثر ہوئے اور کہا تمہاری حکومت اور تمہارا عدل و انصاف ہمیں اس ظلم و زیادتی کے مقابلہ میں ہزار درجہ پسند ہے جس میں ہم پہلے مبتلا تھے، ہم تمہارے عامل کے ساتھ ہرقل کی فوجوں کو روکنے کی کوشش کریں گے" یہودیوں نے یک زبان ہو کر کہا "توریت کی قسم جب تک ہمارے دم میں دم ہے ہرقل کا عامل "حمص" میں نہیں داخل ہو سکتا۔ چنانچہ انھوں نے دروازے بند کر لئے اور شہر کی حفاظت کرتے رہے، اسی طرح ان عیسائی اور یہودی شہر والوں نے بھی کیا جن سے مسلمانوں نے صلح کر لی تھی، ان سب نے آپس میں متفق ہو کر کہا اگر رومی غالب آ گئے تو ہم پھر اسی ظلم و زیادتی کا شکار ہو جائیں گے اور اگر مسلمانوں کی حکومت باقی رہی تو ہمیں اپنے معاملات میں پوری آزادی رہے گی۔

پھر جب خدا کی مدد سے مسلمان غالب آ گئے اور رومیوں کو شکست ہو گئی تو انھوں نے اپنے شہروں کے دروازے کھول دیئے مختلف کھیلوں اور باجوں کے ساتھ مسلمانوں کی فتح کی خوشی منائی بڑی مسرت سے ان کا استقبال کیا اور خوشی خوشی جزیہ دیا۔[1]

یہ تصویر کا ایک رخ تھا اب دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ مسلمانوں کی اندرونی حالت میں انقلاب آیا۔ وہ اس مقصد کو بھول گئے جس کے لئے اللہ نے اپنی بیشمار قوموں کی موجودگی کے باوجود انھیں انتخاب کیا تھا یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ وہ اپنے جزیرہ سے جو مقصد لے کر چلے تھے کہ لوگوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کا پرستار بنائیں اسے فراموش کر دیا، لوگوں پر الٰہی قوانین کے بجائے اپنے وضع کئے ہوئے قانون نافذ کرنے لگے۔ قید و بند سے آزاد ایک طرح کی اباحی زندگی گزارنے لگے گویا نہ وحی کی امنت میں اور نہ انھیں وحی و رسالت پر ایمان ہے، نہ حساب کا ڈر ہے، اور نہ آخرت کا خوف، وہ ان جاہلی قوموں سے پورے طور پر مشابہ ہو گئے جن سے وہ کل تک اجتناب کر رہے تھے، اب وہ تمدن، اجتماع

[1] فتوح البلدان ص۱۳۷۔

سیاست، اخلاق، معاشرت اور بہت سی چیزوں میں انہی مغضوبین، وضالین کی تقلید کرنے لگے جن کی وجہ سے اللہ ان سے ناراض ہوا تھا اور ان پر اپنا غضب نازل کیا تھا۔

ان کے پیش نظر کوئی صحیح اور اعلیٰ مقصد نہ رہا، ان کی تگ ودو اور جد وجہد کھانے پینے اور عیش وعشرت تک محدود ہو گئی دنیا کی قوموں میں ان کا کوئی امتیاز اور خصوصیت باقی نہ رہی، اپنے ہم جنسوں کی طرح وہ بھی انسانوں کا ایک گلہ ہو کر رہ گئے، بلکہ ان کے بعض بادشاہ اور سلاطین تو دوسری قوموں کے جابرہ اور فراعنہ سے بھی بازی لے گئے، ان کے دولتمندوں میں تکبر پیدا ہو گیا ان کے سردار اور "اکابر قوم" فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ جب اس امت کے نفاق وبغض وحسد، جاہ طلبی، دنیا پرستی، عیش پسندی، آخرت سے غفلت، خونریزی سے بے جہائی، حق تلفی بدنہادی، بے وفائی، حدود اللہ سے تجاوز، ظلم وبے انصافی، اسراف وتبذیر اور فواحش ومنکرات وغیرہ وغیرہ مختلف جرائم میں دوسری قوموں سے بھی سبقت لے گئے تو ان پر بھی غضب الٰہی نازل ہوا اور وہ باوجود اس کے کہ ان کے ملک میں بعض دینی شعائر کا رواج تھا اور ان کے نام "اسلامی" قسم کے تھے وہ خدا کی نظروں میں حقیر ہو گئے اور باوجود اپنی وسیع سلطنت، لاتعداد افواج، بیشمار خزانوں اور اپنی شاندار تہذیب کے وہ لوگوں کی نگاہ میں بے وقعت ہو گئے، لوگوں کے دلوں سے ان کی عظمت و ہیبت جاتی رہی اور وہ ان پر جری ہو گئے۔

سج اور سجستان کے بادشاہ رتبیل نے یزید بن عبد الملک کے قاصدوں سے جو اس کے پاس خراج کا مطالبہ کرنے گئے تھے پوچھا "وہ لوگ کیا ہوئے جن کے پیٹ پچکے ہوئے تھے، جن کے چہرے نمازوں کی وجہ سے سیاہ تھے اور جو کھجوروں کی چپل پہنا کرتے تھے"؟ لوگوں نے کہا وہ گذر گئے، رتبیل نے کہا "اگرچہ تمہارے چہرے ان سے زیادہ خوبصورت اور شاندار ہیں لیکن وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند اور طاقتور تھے" یہ کہہ کر اس نے قاصدوں کو واپس کر دیا اور خراج دینے سے انکار کر دیا۔[1]

یہ دوسری صدی کا واقعہ ہے، بعد کی صدیوں میں جو مزید انحطاط ہوا وہ سب کو معلوم ہے جب مسلمانوں کی غفلت شعاری اور عیش پسندی حد سے زیادہ بڑھ گئی تو خدا نے تاتاریوں

(۱) فتوح البلدان ص ۴۰۲

اور منگولوں کو ان پر مسلط کر دیا جو دنیا کی سب سے زیادہ ذلیل، گمنام جاہل اور وحشی قومیں تھیں
انھوں نے مسلمانوں کو اپنے ظلم وستم کا خوب خوب نشانہ بنایا، ان کے خون سے نہریں اور ندیاں دیں،
ان کے سروں سے محل اور قلعے تعمیر کر ڈالے، اور ان کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کے سننے اور بیان
کرنے کی کسی مسلمان میں تاب نہیں۔ انھوں نے بے پناہ ظلم اور تشدد کر کے ان کے دلوں میں اس
طرح اپنا رعب بٹھا یا کہ وہ تاتاریوں کی شکست کو محال سمجھنے لگے۔ ابن اثیر کا بیان ہے بعض لوگوں
سے سنا گیا کہ "جو شخص تم سے کہے کہ تاتاریوں کو شکست ہوگئی اس کی تصدیق نہ کرو"۔ مسلمانوں کے
دلوں میں تاتاریوں کا اس قدر رعب تھا کہ ایک ایک تاتاری مسلمانوں کی پوری پوری جماعت
کو قتل کر ڈالتا اور وہ بھیڑوں اور بکریوں کی طرح بلا ادنیٰ مدافعت کے قتل ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ
ایک تاتاری عورت ایک مکان میں داخل ہوئی اور گھر کے اکثر آدمیوں کو قتل کر ڈالا وہ سب اُسے
مرد سمجھتے رہے اور بلا تکلف اُس کے ہاتھوں قتل ہوتے رہے، اسی طرح ایک مرتبہ ایک تاتاری ایک
پھاٹک میں داخل ہوا جس میں سو آدمی تھے اس نے ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا ان میں
سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس کی طرف ہاتھ بھی اٹھا سکے۔

لوگوں پر کچھ ایسا خوف اور ایسی مایوسی طاری ہو گئی تھی کہ انھوں نے اپنی مدافعت ہی چھوڑ
دی تھی اور اپنے آپ کو تاتاریوں کے حوالے کر دیا تھا ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک تاتاری نے
ایک مسلمان کو گرفتار کیا لیکن اس کے پاس ہتھیار نہ تھا جس سے وہ قتل کرتا اس نے مسلمان سے
کہا کہ اپنا سر اس پتھر پر رکھے رہو میں تلوار لے کر آتا ہوں مسلمان نے پتھر پر سر رکھ دیا اور رکھے
رہا یہاں تک کہ تاتاری تلوار لے کر آیا اور اُسے قتل کیا۔ ابن اثیر کہتا ہے کہ اس قسم کے بے شمار
واقعات اس زمانہ میں پیش آئے۔

یہی ابن اثیر تاتاری فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ایک عرصہ تک میں اس واقعہ کے ذکر سے گریز کرتا رہا اور ٹالتا رہا کون ایسا مسلمان ہوگا
جس کے لئے اسلام کی موت کی خبر دینا آسان ہو اور جو اس مصیبت عظمیٰ کا حال بیان کر سکے کاش
میں پیدا ہی نہ ہوتا یا اس واقعہ سے پہلے ہی مر جاتا اور نسیاً منسیاً ہو جاتا یہ واقعہ اس قدر
المناک ہے کہ تاریخ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی اگر کوئی شخص کہے کہ ابتدائے آفرینش

ہے اس وقت تک مخلوق کو ایسی مصیبت نہیں پیش آئی تو اس میں ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا اور شاید قیامت تک اس قسم کا واقعہ نہ پیش آئے۔"

لیکن یہ زبردست حادثہ بھی مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لئے کافی نہ ہوا وہ بدستور اپنے نشہ میں مدہوش رہے ان پر خدا کا یہ قول صادق آیا "لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ" (قسم ہے تیری جان کی وہ اپنے نشہ میں بہک رہے ہیں) اور "فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ" (ان پر جب ہمارا عذاب آیا تو وہ کیوں نہ گڑگڑائے، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے تھے اور شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو آراستہ کر دیا تھا) اور "وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ" (اور ہم نے اُن کو عذاب میں گرفتار کیا پس نہ وہ خدا کے سامنے جھکے اور نہ گریہ و زاری کی) ان کی یہ غفلت و سرکشی، فسق و فجور اور لہو و لعب میں کمی نہ ہوئی اور یہ بڑے بڑے تازیانے بھی انھیں عبرت نہ دلا سکے یہاں تک کہ ابن اثیر کو لکھنا پڑا

"اللہ اپنی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کرے، شاہان اسلام میں نہ نصرت دین کا جذبہ ہے نہ شوقِ جہاد ہے وہ سب لہو و لعب تعیش اور رعایا کو لوٹنے میں مصروف ہیں، یہ صورت حال میرے نزدیک دشمنوں کی عداوت سے زیادہ خوفناک ہے، کیونکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "واتقوا فتنۃً لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃً" (اور ڈرو اس عذاب سے جو تمھارے ظالموں ہی تک محدود نہ رہے گا)"

ایک بات خاص طور پر قابل لحاظ ہے وہ یہ کہ اس پر آشوب اور پر فتن زمانہ میں بھی جب مسلمانوں پر ہر طرف سے اعدا کی یورش تھی اور فتنوں کا ہجوم تھا، جب کبھی مسلمان خواب غفلت سے بیدار ہوئے، اپنے حالات کی اصلاح کی، اپنی کمزوریوں کو دور کیا اور صبر و ثبات کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا تو انھیں فتح ہوئی، انھوں نے تاتاریوں کو شکست دی جو شکست سے ناواقف تھے اور لوگ ان کی شکست کے قائل ہی نہ تھے، جلال الدین خوارزمشاہ نے انھیں تین بار شکست دی، ظاہر نے انھیں "بیرس" میں متعدد بار شکست دی "الملک الناصر" والی مصر نے "مرج الصفر" میں شکست دی سیوطی عین جالوت کی جنگ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے

"تاتاریوں نے بری طرح شکست کھائی اور مسلمانوں کو عظیم الشان فتح ہوئی تاتاریوں کی بڑی نفری قتل ہو گئی اور باقیماندہ بھاگ گئے"[1]

بہر حال اس قسم کے واقعات بھی پیش آتے رہے لیکن مجموعی حیثیت سے مسلمانوں کی حالت برابر گرتی رہی، وہ بڑی تیزی سے ضعف و پستی کی طرف ہی بڑھتے رہے، ان کے اخلاق میں مرور ایام کے ساتھ ضعف اور انحطاط آتا گیا، ان کے حالات بد سے بدتر ہوتے گئے، یہاں تک کہ وہ ایک کھوکھلی قوم ہو کر رہ گئے، جس میں نہ کوئی روح تھی نہ جان۔ وہ لکڑی کے اس بڑے محل کی مانند ہو گئے جو دور سے شاندار معلوم ہوتا ہو لیکن اس میں اندر سے خول ہو گیا ہو یا اس بڑے تناور درخت کے مانند جو اب تک گرا نہ ہو لیکن اسے دیمک اور کیڑوں نے کھا لیا ہو۔ ان کے خوبصورت اور پر عظمت شہر دشمنوں کی چراگاہ بن گئے جن کا کوئی والی و محافظ نہ رہا، ان کی حکومتیں شکاریوں کا شکار اور حریص دشمنوں کا نوالہ بن گئیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

"عنقریب قومیں تم پر اس طرح یورش کریں گی جس طرح کھانے والے پلیٹ کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم اسوقت بہت کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں تم اس وقت زیادہ ہو گے۔ لیکن تم سیلاب کے خس و خاشاک کی طرح ہو گے، اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دل سے تمھارا رعب اٹھالے گا، اور تمھارے دلوں میں "وھن" پیدا ہو جائے گا۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ وھن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "دنیا کی محبت اور موت کا خوف"[2]

مسلمانوں کا یہ انحطاط قائم رہا بلکہ بڑھتا گیا آخر کار اٹھارویں صدی میں ان پر مغرب کی عیسائی اور جاھلی قوموں نے یورش کی اور ایک طویل کشمکش کے بعد مسلمانوں نے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے، اپنے ممالک کی کنجیاں ان کے حوالہ کر دیں اور ان کے حق میں قیادت عالم سے دست بردار ہو گئے، ان کا اخلاقی انحطاط اس قدر بڑھ چکا تھا کہ انہیں

---

(۱) تاریخ الخلفاء (۲) ابو داؤد

خائن اور غدار پیدا ہوئے جنھوں نے اپنی قوم سے خیانت کی، اپنے ملک کو چند سکوں کے عوض فروخت کر دیا، دشمنوں کی فوج میں رضاکارانہ طور پر اپنی خدمات پیش کیں اور ان کے وفادار خادم بن گئے۔

یہ مغربی یورش اپنے اثرات اور نتائج کے اعتبار سے تاتاری اور مغل یورش سے کہیں زیادہ مہلک ثابت ہوئی اس نے مسلمانوں کے دلوں سے ایمان کی وہ ہلکی چنگاری بھی بجھا دی جو پوشیدہ رہ گئی تھی اور طویل صدیاں گذرنے پر بھی نہ مٹ سکی تھی اور جو بار بار روشن ہو جایا کرتی تھی۔

حکمائے مغرب نے مسلمانوں کی قوت کا منبع تلاش کیا تو انہیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں زندگی اور قوت کا سرچشمہ "ایمان" ہے۔ ان کو ایمان کی طاقت کا اندازہ تھا، انھوں نے ایمانی طاقت کے معجزات و خوارق کا مشاہدہ کیا تھا، وہ جانتے تھے کہ ایمان کیا کچھ کر سکتا ہے، اسلئے انھوں نے ایمان کی عداوت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور مسلمانوں پر دو ایسے دشمن مسلط کر دیئے جو تاتاریوں اور مغلوں سے زیادہ ظالم اور سفاک تھے۔

ایک شک اور تذبذب جن سے زیادہ بزدلی پیدا کرنے والی کوئی چیز نہیں۔

دوسرے ذہنی غلامی۔ مسلمان اپنے دلوں کی گہرائیوں میں ذلت محسوس کرنے لگے وہ خود اپنی نظروں میں حقیر ہو گئے، انھیں اپنا دین، اپنا اخلاق اور اپنی تہذیب سب کچھ حقیر معلوم ہونے لگا، وہ ہر شعبے میں اپنے یورپین آقاؤں کے تفوق کے قائل ہو گئے۔ ہر بھلائی کو ان کی طرف منسوب کرنے لگے اور زندگی کے کسی گوشہ میں ان کے نقص و خامی کے قائل ہی نہ رہے ان کے دلوں سے یہ بات بالکل نکل گئی کہ یورپینوں کو بھی شکست ہو سکتی ہے ظاہر ہے کہ جب کسی قوم میں اس قسم کی ذہنی غلامی پیدا ہو جائے تو اس کے "مردہ" ہونے میں کوئی شک نہیں خواہ اس کے افراد چلتے پھرتے اور کھاتے پیتے کیوں نہ ہوں۔

اس مرتبہ مسلمانوں میں مغربی فلسفہ اور تمدن کے اثر سے "مادیت" اور دنیا پرستی غالب آگئی، وہ نفع عاجل کے پیچھے دوڑنے لگے اور اپنی حکمراں مغربی قوموں کی طرح شخصی مصلحتوں اور ذاتی منفعتوں کو اصول و اخلاق پر ترجیح دینے لگے، اس ذہنی تربیت کا نتیجہ

یہ ہوا کہ ان میں ضعف اور کم ہمتی پیدا ہوگئی۔ "جہاد" کے نام سے ان کو لرزہ آنے لگا موت کے تصور سے وہ کانپنے لگے، تلخیاں اور مصائب برداشت کرنے کی ان میں ہمت نہ رہی وہ اپنے اصول اور نصب العین کے لئے قربانی سے کترانے لگے،

اس تعلیم اور فلسفہ سے مسلمانوں میں ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جو اپنے ظاہر کے اعتبار سے نہایت خوشنما لیکن باطن کے اعتبار سے اتنی ہی گندی، ان کے چہرے نہایت شاندار ان کا لباس نہایت دیدہ زیب، ان کی زبان نہایت شیریں، ان کے ذہن نہایت روشن لیکن ان کی روح نہایت تاریک، ان کے دل نہایت کھوکھلے، یقین سے قطعی خالی، ان کے عقائد مذبذب، صبر و برداشت سے بالکل نامانوس، اخلاق و ارادہ کے انتہائی کمزور دین کو دنیا کے عوض میں فروخت کرنے والے، آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والے، قوم اور ملک کو شخصی اغراض و منافع اور نام و نمود عزت و جاہ کے عوض میں فروخت کر دینے والے، اپنی ذات اور قوم سے بدگمان رہنے والے، دوسروں پر بھروسہ کرنے والے "وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِن يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ" (اور اگر آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو اچھے معلوم ہوں گے اور اگر وہ گفتگو کریں تو آپ کان لگا کر ان کی بات سنیں گے۔ گویا وہ دیوار سے لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، ہر آواز کو اپنے ہی خلاف سمجھتے ہیں)

یہی لوگ آج کل مسلمانوں کے نمائندہ ہیں ان ہی کے ہاتھ میں قوم کی باگ ڈور ہے انھیں کو اسلامی ممالک کی بہار اور رونق کہنا چاہیئے۔

ان لوگوں نے مسلمانوں کو "روباہی فلسفہ" کی تعلیم دی، ان میں بزدلی اور کم ہمتی کا پرچار کیا، انھیں "اکثریت" اور "اقلیت" کے لایعنی مسائل میں الجھایا، توکل علی اللہ اور خود اعتمادی کے بجائے دوسروں پر بھروسہ کرنا اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلانا سکھایا اور اپنی بقاء حیات کے لئے دوسروں کے محتاج ہو گئے۔

ان لوگوں نے مسلمانوں کے دلوں سے جہاد فی سبیل اللہ اور حمیت دین کا جذبہ نکال کر وطنیت اور قومیت کا بیج بو دیا، مسلمان قوم کا وہ جنون جس سے عقل و حکمت کا چشمہ پھوٹتا

تھا، جس نے دیکھتے ہی دیکھتے وہ کچھ کر دکھایا جو عقل و خرد سے ہزاروں سال میں بھی نہ ہو سکا تھا، اس حکیمانہ اور عاقلانہ جنون کو انھوں نے ناقص اور بیمار "عقلیت" سے تبدیل کر دیا جس کے سامنے بہانوں اور کاوشوں کے سوا کچھ نہیں ہے

اس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا
جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

ان لوگوں نے یہ نہ سوچا کہ ہم جس قوم کی نمایندگی کر رہے ہیں اس کی ایک خاص طبیعت ہے ایک خاص مزاج ہے جو دنیا کی دوسری قوموں کے مزاج سے بالکل جدا ہے۔ اس کی اصلاح و تقویم کے طریقے دوسری قوموں کی اصلاح و تقویم کے طریقوں سے مختلف ہیں، یہ درخت اپنے اکثر حالات اور قوانین میں دنیا کے دوسرے درختوں سے مختلف ہے، یہ اس پانی سے نہیں شاداب ہو سکتا جس سے دنیا کے دوسرے پودے سیراب ہوتے ہیں، یہ اس طرح نہیں پھل پھول سکتا جس طرح دنیا کے دوسرے درخت پھلتے پھولتے ہیں، یہ اپنی نوعیت اور جنسیت میں دنیا کے ہر درخت سے جدا ہے۔ جو اسے دوسرے درختوں پر قیاس کرے گا اور اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے گا یا اس میں کوئی قلم لگائے گا وہ اسے نقصان پہونچائے گا بلکہ اسے ضائع کر دے گا لیکن ان لوگوں نے اس امت کو بھی دوسری قوموں پر قیاس کیا، انھوں نے سوچا یہ بھی دوسری قوموں کی طرح افراد کا مجموعہ ہے، ان کی ضرورتیں اور ان کی ضرورتیں ایک ہی ہیں، ان کی زندگی اور موت کے قوانین ایک ہی ہیں، انھوں نے اس کے لئے بھی وہی نسخہ تجویز کر دیا جو اطبا نے عام طور پر قوموں کی اصلاح کے لئے تجویز کیا تھا، انھوں نے کہا اس امت کی پریشانیوں کی جڑ بنیاد فقر و افلاس ہے، زندگی اور قوت کا سرچشمہ دولت ہے، جب تک مسلمانوں کی اقتصادی حالت درست نہ ہوگی ان کی مصیبتیں دور نہیں ہو سکتیں، انھوں نے بڑی شدت سے دنیا کمانے کا مشورہ دیا، بنک اور بیمہ کمپنیاں قائم کیں، اور ہر ذریعہ سے قوم کو ان کی طرف راغب کیا اپنی اس دھن میں انھوں نے یہاں تک تجاوز کیا کہ "سود" کو بھی حلال قرار دیا اور

وہ تمام حدود توڑ دیئے جو شریعت نے مقرر کئے تھے، صرف اس حرص میں کہ مسلمان بھی دولتمند ہو جائیں۔ انھیں بھی دوسروں کی طرح سامان عیش حاصل ہو جائے، ان کی قومی دولت میں اضافہ ہو، وہ اپنے برادران وطن اور ہمسایہ قوموں سے سرمایہ داری میں پیچھے نہ رہیں

ان کی یہ ذہنیت یقیناً غیر اسلامی ہے، ان کی یہ تشخیص بھی غلط ہے کہ مسلمان فقر و افلاس کی وجہ سے تباہ ہوئے، جو شخص مسلمانوں کی تاریخ سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ مسلمان فقر و افلاس کی وجہ سے نہیں بلکہ سرمایہ داری کی وجہ سے تباہ ہوئے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے متعلق دنیا کی کشادگی اور فراوانی سے اندیشہ تھا، آپ اکثر مسلمانوں کو تنبیہ کیا کرتے تھے اور دولت کے انجام سے ڈرایا کرتے تھے فرماتے تھے۔

"مجھے تمہارے متعلق فقر و افلاس سے اندیشہ نہیں، لیکن میں ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر کشادہ ہو جائے، جس طرح تم سے پہلے دوسری قوموں کے لئے کشادہ ہوئی اور تم اس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہو اور اسی طرح ہلاک ہو جاؤ جس طرح تم سے پہلے دوسری قومیں ہلاک ہوئیں"[1]

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف رکھتے تھے ہم لوگ آپ کے گرد بیٹھے تھے آپ نے فرمایا۔

"میرے بعد تمھیں دنیا کی جو فراوانی اور زیب و زینت حاصل ہونے والی ہے اس سے مجھے اندیشہ ہے"[2]

کعب ابن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ

"ہر قوم کے لیے ایک فتنہ ہے اور میری قوم کا فتنہ مال ہے"[3]

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔

---

(۱) متفق علیہ (۲) متفق علیہ (۳) ترمذی

"ہم لوگ مسجد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے کہ مصعب بن عمیر آئے ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی، وہ بھی پیوند لگی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سابق امیرانہ زندگی کو یاد کرکے رو دیئے پھر آپ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تم صبح و شام لباس تبدیل کیا کرو گے، تمہارے سامنے ایک برتن رکھا جائے گا ایک اٹھایا جائے گا، اور تم اپنے گھروں میں اس طرح پردے لگاؤ گے جس طرح کعبہ پر غلاف چڑھائے جاتے ہیں لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم اس دن آج سے بہتر ہوں گے فکر معاش سے آزاد ہوں گے اور یکسوئی سے عبادت میں مشغول ہوں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم آج اس دن سے بہتر ہو"[1]

جو شخص دمشق بغداد قرطبہ غرناطہ اور دوسرے اسلامی شہروں کی تاریخ تمدن سے واقف ہے، اور اس اخلاقی اور اجتماعی انحطاط پر نظر رکھتا ہے جو مسلمانوں میں ان کی تہذیب کے عروج کے زمانہ میں ظاہر ہوا۔ وہ حرف بحرف ان پیشین گوئیوں کی تصدیق کرے گا جنھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ کہنا چاہیئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ مستقبل کے آئینہ میں دیکھ رہے ہیں اور سب کچھ مشاہدہ کے بعد فرماتے ہیں حالانکہ یہ سب کچھ وحی و الہام اور انبیاء علیہم السلام کی حکمت و فراست ہے

ہمیں سرمایہ کی ضرورت اور قوموں کی زندگی میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں، لیکن ہم ایک لمحہ کے لئے یہ تسلیم نہیں کر سکتے کہ سرمایہ ہی اس امت کی واحد ضرورت ہے اور صرف اقتصادی حالت درست ہو جانے سے مسلمانوں کی اصلاح ہو جائے گی اور وہ دنیا میں اپنے شایان شان منصب حاصل کر لیں گے اس جدوجہد میں اگر اس کے داعیوں کو خاطرخواہ کامیابی بھی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان قوم بھی ایک دوسری یہودی قوم کی صورت میں منتقل ہو جائے اور ان مجرم سرمایہ دار قوموں کی تعداد میں ایک کا اضافہ ہو جائے جن کا سرمایہ آج دنیا کے لئے عذاب بنا ہوا ہے اور جن کے ہٹانے اور لوگوں کو ان کے پنجہ ظلم سے رہائی دلانے کے لئے امت مسلمہ مبعوث ہوئی تھی، علاوہ ازیں اس کا انجام صرف یہ

(۱) ترمذی

ہوگا کہ مسلمانوں میں دنیوی زندگی سے محبت، موت سے خوف اور جہاد سے بے رغبتی بڑھ جائیگی
ایک اور گروہ نے نعرہ لگایا کہ اس قوم کی ضرورت صرف "تعلیم" ہے۔ اس میں تعلیم کی کمی ہے
اگر اس قوم کے افراد غیر ملکی زبانیں سیکھ لیں اور ان میں اہل زبان کی طرح مہارت حاصل کرلیں، علوم
جدیدہ سے واقف ہوجائیں تو قوم کی تمام مشکلات حل ہوجائیں اور ساری مصیبتیں دور ہوجائیں
اس فکر و خیال کے ماتحت انھوں نے مغربی طرز پر اسکول کالج اور یونیورسٹیاں قائم کیں
اور ان میں ہر ممکن حد تک اپنے مغربی آقاؤں کی تقلید کی، کبھی کبھی نظام تعلیم میں کچھ معمولی
اور سطحی تغیر بھی کر دیا اور مسلمانوں کے دینی جذبہ کو تسکین دینے کے لئے "رسمی" طور پر "دینیات"
کا ایک شعبہ بھی قائم کر دیا اور محض اس بناء پر انھوں نے ان کالجوں اور یونیورسٹیوں کو "اسلامیہ کالج"
اور "مسلم یونیورسٹی" کا نام دیا۔
ان مغربی علوم کو انھوں نے اپنی روح (۱) اور ضمیر کے ساتھ مسلمان نوجوانوں میں منتقل کرنا شروع
کیا انھوں نے مسلمان نوجوانوں کو ان علوم اور اس فلسفہ کی تعلیم دی جو یورپ کے جاہلی اور تاریک
دور میں مدون ہوا تھا، قرون وسطی میں اور اس کے بعد جب یورپ نے اپنی نصرانیت کا بوجھ
کاندھوں سے اتار پھینکا تھا اور دین و اخلاق کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا

(۱) ہر علم کی ایک خاص روح اور ضمیر ہوتا ہے جسے اس علم کا مغز اور حاصل کہنا چاہیے۔ اسلام نے جن
علوم کی بنیاد ڈالی اور اپنے قالب میں ڈھالا۔ ان سب میں ایمان، تقوی اور خشیت الہی کی روح پورے
طور پر موجود ہے جیسے تفسیر، حدیث، فقہ، اخلاق، تصوف، یہاں تک کہ مسلمانوں نے جن علوم کو سنوارا اور اصلاح
کی وہ بھی دینی روح سے خالی نہیں، جیسے تاریخ اور ادب، یونانیوں نے جن علوم کو وضع کیا یا مرتب کیا وہ
سب ان کی خرافات اور جاہلی روح سے مملو ہیں۔ اسی طرح ملحد یورپ نے جن علوم کو مدون کیا ان میں
الحاد، انکار خدا، مادہ پرستی، محسوسات پر ایمان اور ان چیزوں کی طرف سے جو ذہن، مشاہدہ اور تجربہ
میں نہ آئیں بے اعتنائی پورے طور پر موجود ہے۔ حالانکہ بعض اخلاق ایسے ہیں جن سے بظاہر کوئی
نفع اور لذت نہیں محسوس ہوتی، ان کے علم فلسفہ، ادب، شعر، کہانیوں اور ڈراموں میں یہ روح پورے
طور پر موجود ہے۔

اس تعلیم جدید کے داعیوں نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے پورا زور صرف کیا مسلمانوں کی بے پناہ دولت ان یونیورسٹیوں اور کالجوں پر صرف ہوئی مسلمانوں کے ہونہار بچے اور بہترین جوان ان تعلیم گاہوں کے لئے وقف ہو گئے۔ لیکن اس جد و جہد کا نتیجہ کیا ہوا۔؟ ایک عام فکری بے راہ روی افکار و خیالات میں تضاد و ناہمواری، دین میں ناشناسا اور تہذیب اخلاق و ادب سے بیزاری، عزوم و ارادہ میں ضعف۔ ان سب چیزوں کی وجہ سے یہ نئی تعلیم یافتہ جماعت اپنے گھر والوں اور قوم پر بار ہو گئی۔ قوم کے جسم میں گویا یہ لوگ فساد اور بیماری کے جراثیم تھے جنھوں نے اس کو کمزور اور ناتوان بنا دیا۔

° ایک اور جماعت ہے جس کی جد و جہد اور کوشش ملازمتیں اور عہدے حاصل کرنا ہے یہ لوگ ہر ظالم حکومت اور ہر باطل نظام سے تعاون کرتے ہیں ہر حکومت کے سایہ میں اہم عہدے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں دین کے خلاف قوانین وضع کرتے ہیں اور حکومت کے زور سے انھیں نافذ کرتے ہیں، غیر اسلامی حکومتوں کی جابرانہ اور ظالمانہ کارروائیوں میں شریک رہنے میں بلکہ ان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی کوشش کرتے ہیں مسلمانوں کو ان کی فوج میں رضاکارانہ طور پر شریک ہونے کی دعوت دیتے ہیں ان کے علم کے نیچے جنگ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں خواہ انھیں کتنے ہی دینی دلائل سے سمجھا دیا جائے کہ یہ کھلا ہوا "تعاون علی الاثم" اور "قتال فی سبیل الطاغوت" ہے

اس روش کی وجہ سے دنیا کے نزدیک مسلمانوں کی ساکھ اٹھ گئی، انھوں نے اپنا امتیاز و شرف کھو دیا، ان کی شہرت پر بٹہ لگ گیا، صاحب رسالہ اور صاحب دین قوم کی حیثیت سے ان کی کوئی وقعت نہ رہی، وہ لوگوں کی نظر میں ذلیل ہو گئے۔ وہ مسلمان جن کو عدل و انصاف قائم کرنے کا شریف ترین منصب سپرد کیا گیا تھا، جن کو ظالموں اور بے انصافوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جنھیں ظالموں اور جابروں کو سزا دینے کا کام سپرد کیا گیا تھا، جن کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ "ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا سب سے بڑا جہاد ہے" وہی مسلمان اب ظالم حکومتوں سے تعاون کرنے لگے، ظلم اور بے انصافی میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے اور اسے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت سمجھنے لگے۔ انھیں فخر ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کی انھیں سرکاری ملازمتیں اور عہدے دلوائے اور اپنے ہم وطن غاصبوں سے یہ جگہیں چھین لیں، وہ اپنی اس کامیابی کو

اسلام کے لئے شرف و عزت کا باعث سمجھتے ہیں۔ بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔ (منافقین کو خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا ان کے یہاں عزت تلاش کرتے ہیں عزت تو سب اللہ کے لئے ہے)

ایک اور گروہ نے خیال کیا کہ طاقت حاصل کرنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ اپنے کو طاقتوروں سے مشابہ بنایا جائے، لباس میں، تہذیب میں، طرز معاشرت میں ان کی پوری پوری تقلید کی جائے، اس کی وجہ ابن خلدون کے قول کے مطابق یہ ہے کہ مغلوب ہمیشہ غالب سے مرعوب رہتا ہے کہ اسے اپنے سے برتر و افضل سمجھتا ہے اور کبھی کبھی وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ غالب کا غلبہ طبعی اسباب اور قوت و عصبیت کی وجہ سے نہیں بلکہ چند مخصوص رسوم و آداب کی وجہ سے ہے بس وہ انھیں رسوم و آداب میں قدم بقدم اس کی پیروی کرنے لگتا ہے۔

ان لوگوں نے بجائے ہوائی جہازوں، ٹینکوں، توپوں، مشین گنوں اور عسکری تنظیم کے صرف لباس و فیشن میں یوروپین قوموں کی تقلید، شرع کی بے پردگی کا پرچار کیا، پردہ کو احمقانہ اور جاہلانہ رسم قرار دیا، عربی حروف کو مٹا کر لاطینی حروف رائج کئے، اس نام نہاد اصلاح کو کامیاب بنانے کے لئے انھوں نے اختلاف کرنے والوں کو سزائیں دیں، انھیں قید خانوں میں بند کیا ملک سے جلاوطن کیا، حالانکہ ان حرکتوں سے عقلمندوں کے نزدیک ان کی عزت و قوت میں کوئی اضافہ نہ ہوا

یہ ہے مسلمانوں کی اصلاحی کوششوں کا خلاصہ اور یہ ہے ان کی اصلاح کا انداز اکثر اسلامی ممالک میں، یہ ساری تحریکیں حقیقت سے گمراہی، مسلمانوں کے قومی مزاج سے ناواقفیت اور غیر اسلامی طرز فکر کا نتیجہ ہیں۔ ان سے مسلمانوں کو نقصان کے سوا کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا مسلمان قوم اپنی ترکیب میں، اپنے مزاج میں، دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ اس امت کی قوت کا مخصوص سرچشمہ ہے، اندرونی بھی اور بیرونی بھی۔

اندرونی سرچشمہ قلب اور روح ہیں، جب قلب ایمان سے معمور ہو جائے اور روح دینی

تعلیمات اور اسلامی اخلاق کے ذریعہ پاکیزہ ہو جائے سینہ میں دینی حمیت جوش مارنے لگے، اور اس بجھی ہوئی خوابیدہ قوم کو جو صدیوں سے اپنا نصب العین اور مقصد حیات بھلا چکی ہے معلوم ہو جائے کہ زمانہ اپنی عادت کے مطابق پلٹ چکا ہے، دنیا پھر اسی طرح جاہلیت کے عذاب میں گرفتار ہے جس طرح پہلے تھی "ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس" (لوگوں کے اعمال کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا) اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی امانت سپرد کی ہے، اپنی رسالت کا حامل بنایا ہے، اپنے دین کی اشاعت کے لئے منتخب کیا ہے، اس کی مدد اور غلبہ کا وعدہ کیا ہے "ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انهم لهم المنصورون وان جندنا لهم الغالبون" (اور ہمارے پیغمبروں کے لئے یہ بات طے ہو چکی کہ وہی کامیاب ہوں گے اور یہ کہ ہماری فوج ہی غالب آئے گی) "ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین" (اور نہ تم سست ہو اور نہ رنجیدہ ہو تم ہی کامیاب ہو گے اگر تم مومن ہو) کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی" (اللہ نے لکھ دیا ہے کہ خدا اور اس کے رسول غالب آئیں گے) "ان العزة للہ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون" (عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیئے اور مسلمانوں کے لئے لیکن منافقین نہیں جانتے)

اے دنیا کی کجروی بے عنوانی اور جہل و نادانی کا احساس ہو جائے، اسے دنیا پر رحم آجائے وہ دنیا کا درد دکھ دیکھ کر بیقرار ہو جائے، اسے ایسا معلوم ہو کہ پوری دنیا آگ میں جل رہی ہے اور میرے سوا کسی کے پاس پانی نہیں، وہ اس پانی کو لے کر آگ بجھانے کے لیے دوڑ پڑے اس راہ میں وہ اپنی لذتیں اپنی مسرتیں اپنا خواب و خور سب کچھ بھول جائے اس پر ایک قسم کا جنون طاری ہو جائے، اسوقت یہی ضعیف اور مردہ قوم ایسی معجز نما قوت میں تبدیل ہو جائیگی جس کا مقابلہ بڑے بڑے پہاڑ نہیں کر سکتے، جس کے خلاف اگر ساری دنیا محاذ بنا لے، اپنی تمام قوموں اپنے سب لشکروں، اپنی ساری حکومتوں کو اس کے مقابلہ پر اکٹھا کر لے تب بھی غالب نہ آسکے گی وہ قضاء الٰہی اور حکم ربانی بنکر سب کو مغلوب کر لے گی "هو الذی ارسل رسولہ بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کلہ ولو کره الکافرون" (وہی ہے جس نے بھیجا اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسے غالب کرے تمام دینوں پر اگرچہ کافروں کو یہ بات

ناگوار ہو)

مسلمانوں کی قوت کا بیرونی سرچشمہ قرآن کریم، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام کی سیرت ہے ہمیشہ سے یہی چیزیں مسلمانوں کے لئے قوت اور زندگی کا منبع، جوش و ایمان کا مخزن، معجزات و آیات کا مجموعہ رہی ہیں، مسلمانوں نے ہمیشہ ان ہی چیزوں سے زندگی اور طاقت حاصل کی ہے، ان چیزوں پر مسلمانوں کو خاص توجہ کرنا چاہیئے، ان کی اشاعت میں خاص حصہ لینا چاہیے، خود پڑھیں اپنے بچوں کو پڑھائیں، ان چیزوں سے مسلمانوں کا رشتہ جس قدر مضبوط ہوگا اسی قدر وہ عزت اور قوت کے مالک ہوں گے

مسلمانوں میں ضعف، بزدلی، خدا کی مدد سے ناامیدی، اس کے وعدوں میں شک، دوسروں پر بھروسہ یہ سب چیزیں اسی وقت پیدا ہوئیں جب انھوں نے کتاب و سنت سے اپنا رشتہ توڑ لیا۔

تمام اصلاحی اور تنظیمی کوششیں اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہیں، جب قلب کی اصلاح ہو جائے اور روح طاقتور ہو جائے نیز یہ کوششیں اجتہاد و تفقہ کے ماتحت ہوں اسلامی روح کے موافق ہوں، قوم کے مخصوص مزاج سے مناسبت رکھتی ہوں۔

مسلمان قوم کے بارے میں یہی اللہ کی سنت ہے۔ یہی تیرہ صدیوں کے تجربات ہیں، اور یہی تاریخ کا وہ فیصلہ ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا اور نہ اس میں بحث کی گنجائش ہے ــــ (لن یصلح اخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولہا)

(صرف ٹائیٹل "نامی پریس لکھنؤ" میں چھپا)